# دہشت گردی و معاشرہ

مؤلف

سیّد حسین محمد نقوی الامروہوی

# دہشت گردی و معاشرہ

مئولف

سیّد حسین محمد نقوی الامروہوی

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | دہشت گردی و معاشرہ |
| مؤلف | : | سیّد حسین محمد نقوی الامروہوی |
| سال طباعت | : | ۲۰۰۸ء |
| ناشر | : | سید ناصر مہدی نقوی |
| | | شاہ چراغ بلڈنگ، دی مال، لاہور |
| مطبع | : | اظہار سنز پرنٹرز، 9ریٹی گن روڈ، لاہور |
| سرورق | : | سید محمد علی عظیم رضوی |
| تعداد | : | ایک ہزار |
| ہدیہ | : | -/60 روپے |
| اسٹاکسٹ | : | افتخار بک ڈپو۔ اسلام پورہ، لاہور |

# انتساب

میں اپنی اس کتاب کو حضرت امام العصر والزمان علیہ السلام

کے حضور بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف!

غلام امام زمانہ

سیّد ناصر مہدی نقوی (ناشر)

# سوانح حیات

مجھے فخر ہے کہ میں سادات نقوی سے حضرت سید حسین شرف الدین شاہ ولایت کی اولاد ہوں جن کی اولاد اکثریت امروہہ ضلع مرادآباد (ہندوستان) میں آباد ہے۔ حضرت شاہ ولایت ایک ممتاز خدارسیدہ درویش تھے آپ نے سنت ابراہیمؑ پر عمل کر کے واسط (عراق) سے ہجرت فرمائی اور وارد شہر امروہہ ہوئے جہاں آپ کا مقبرآپ کی روحانی عظمت و بزرگی کی زندہ یادگار ہے حضرت شاہ ولایت کی اولاد تقریباً سوسال تک ملک کے نظم ونسق میں اہم کردار ادا کیا۔ مغلیہ عہد میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہے اور اس کے بعد ہندوستان کی تاریخ کے نازک دور میں اسلام اور آزادی عوام کے لیے بیش بہا قربانیاں دیں ۱۸۵۷ء کی انگریزوں کے خلاف اولاد حضرت شاہ ولایت نے بالعموم اور راقم الحروف کے آباواجداد نے بالخصوص لڑائیاں لڑیں اور اپنی جانوں کا نذرانہ دیا۔

تحریک قیام پاکستان میں سادات امروہہ نقویہ نے من حیث القوم حصہ لیا اور ۱۹۴۷ء میں بعد قیام پاکستان کثیر تعداد نے امروہہ سے ہجرت کی اور پاکستان کے مختلف شہروں میں آباد ہوئے اور اپنی انفرادی، مذہبی، تمدنی اور علمی صدیوں پرانی خاندانی خصوصیات اور ورثہ کو اب تک باقی رکھا ہے۔

راقم الحروف یکم نومبر ۱۹۲۳ء کو امروہہ میں ایک باعلم گھرانہ میں پیدا ہوا راقم

الحروف کے والد ماجد مولوی سید سیادت حسین نقوی مرحوم ایک ممتاز عالم دین اور متعدد کتب کے مصنف تھے ۱۹۴۷ء میں راقم الحروف نے معہ اپنے خاندان کے امروہہ سے ہجرت کی اور لاہور کو مسکن بنایا ۱۹۵۱ء میں ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کر کے وکالت کا پیشہ اختیار کیا ہمت مرداں مدد خدا کے مصداق اپنے پیشہ میں ترقی کے منازل اور سپریم کورٹ کی حیثیت سے شہرت حاصل کی علاوہ ازیں فلاحی، مذہبی اور قومی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آل پاکستان شیعہ بورڈ۔ انجمن سادات امروہہ پاکستان انجمن مہاجریں اور آل پاکستان شیعہ لائزر لیگ قائم کیں اور ان جماعتوں کی صدارت بھی کی۔ قانونی پیشے سے متعلق اور مذہبی کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے قانون اوقاف۔ اسلامی دستور حکومت۔ اسلام اور امیر اسلام، ظہور امام مہدی علیہ السلام قریب تر ہے، دست انتقام، آداب علم و معاشرت، جہاد حکومت الہیہ کے آخری تاجدار کا ظہور، تشرفِ ملاقات، عظمت سادات اور حج اور اس کا عبادی و سیاسی پہلو قابل ذکر ہیں۔

# فہرست

# دہشت گردی کی ابتدا

آج کل کے حالات و واقعات مختلف انداز میں دنیا میں رونما ہو رہے ہیں اور سیاسی اور جنگی حالات جو روز بروز تبدیل ہو رہے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب ایک عالمی جنگ میں تبدیل نہ ہو جائیں۔ قتل و غارتگری بڑھتی جا رہی ہے ہر طرف دہشت کا عفریت اپنے قدم جمائے ہوئے ہے اور خوف و ہراس لوگوں کے دلوں پر چھایا ہوا ہے ہر ملک دہشت گردی کا شکار ہے بالخصوص مسلمان ممالک میں دہشت گردی کے واقعات روزمرہ کا معمول بن گئے ہیں افغانستان کشمیر، ایتھوپیا، عراق، فلسطین اور پاکستان اس وحشتناک مرض میں مبتلا ہیں۔ امن نام کی کوئی چیز باقی نہیں، سکون ناپید ہے۔ افراتفری کا عالم ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دہشت اور دہشت گردی کے شروع ہونے اور پھیلنے کے کیا اسباب ہیں، اس مذموم اور وحشتناک حرکت کی ابتداء کہاں سے ہوئی اور کیوں اور کیسے ہوئی۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اس کی ابتداء مغربی ممالک سے ہی ہوئی ہے۔ جیسے برطانیہ میں بادشاہت کے خلاف عوام کھڑی ہوگئی تھی کیونکہ ان کی مادّی اور معاشی حالت بہتر نہ تھی اسی طرح امریکہ میں مقامی سیاہ فام لوگوں کو مجبور کر دیا تھا کہ جو لوگ ان کے ملک پر آ کر قابض ہوئے تھے اور ان کو غلام بنانا چاہتے تھے وہ ان کے خلاف کھڑے ہو گئے اور دہشت گردی شروع کر دی۔ مغربی ممالک میں اگر فرانس کی تاریخ دیکھی جائے تو انقلاب فرانس بتاتا ہے

کہ وہاں بھی دہشت گردی کی ابتداء اس انقلاب سے ہوئی۔ مغربی ممالک سے یہ مرض مسلمان ملکوں میں اس طرح منتقل ہوا کہ مغربی ممالک کے حکمرانوں نے ہندوستان اور دیگر اسلامی ممالک میں اپنے پنجے جمائے تو وہاں کے مقامی لوگوں میں اختلافات پیدا کر کے لڑاؤ اور حکمرانی کرو کی پالیسی اختیار کی اور دہشت گردی کو پھیلایا۔ انگریزی میں دہشت گردی کو Terrorisom اور دہشت کو Terror کہا جاتا ہے۔

تمام مذاہب میں دہشت گردی کے خلاف شدید مذمت کی گئی ہے اور فساد فی الارض کی ممانعت کی ہے اور نہایت ناپسندیدہ عمل قرار دیا ہے۔ امن اور آشتی کا پیغام دیا ہے اسلام ایک سلامتی کا مذہب ہے اور اس میں جبر کی کوئی گنجائش نہیں جیسے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جب ایک شخص دوسرے کے پاس جاتا ہے تو وہ اس کی سلامتی چاہنے کے لیے کہتا ہے ''السلام علیکم'' دوسرا شخص بھی اس کی سلامتی کے لیے کہتا ہے ''وعلیکم السلام''

دہشت اور دہشت گردی کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں ہے اور دہشت گردی ایک تنظیمی اور گروہی شکل اختیار کرنے کو کہا جاتا ہے یعنی جب دہشت بڑھ جائے اور دہشت گردی پھیلنے لگے تو وہ انفرادیت سے اجتماعت اختیار کر لیتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص قتل ہو جاتا ہے تو اس کے اثرات یہ ہوتے ہیں کہ مقتول قاتل سے بدلہ لینے کے لیے تدابیر کرتے رہتے ہیں اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں یہاں تک کہ متعدد افراد دونوں جانب کے موت کے گھات اتر جاتے ہیں۔ اسی

طرح اجتماعی دہشت گردی ہو جاتی ہے لیکن کیا آج کل کی دنیا میں کوئی اسے دہشت گردی نہیں کہتا اور اسلامی قانون اس قسم کے قتل کو اور مارے جانے کو دہشت گردی نہیں کہتا اس لیے معلوم ہوا کہ دوسروں کی جان لینا دہشت گردی نہیں بلکہ دوسروں کے جان واملاک پر تجاوز کرنا بھی دہشت گردی نہیں۔ اکثر دہشت گردی اس فعل کو کہا جاتا ہے جو خوف و ہراس کا باعث ہو اور وہ عمل بھی جس سے حقیقت میں امن کو تباہ کر کے خوف و ہراس پھیلانا مقصود ہو اور امن تباہ ہو جائے اور ایک تنظیمی شکل اختیار کر لے۔

اسلام میں یہ دونوں عنوان موجود ہیں ایک کو محاربہ کہا جاتا ہے یعنی جنگ و جدل۔ یہ عنصر خوف دہشت، بدامنی سے بے گناہ لوگوں کی شخصی اور اجتماعی زندگی میں خلل پیدا کرتا ہے جسے فساد فی الارض سے یاد کیا جاتا ہے دراصل فساد اپنے خاص معنی میں معاشرے کے لوگوں کے اجتماعی امن کے تار تار کرنے کو کہا جاتا ہے ایسے محاربے کو اخافتہ الناس یعنی لوگوں کو دحشت زدہ اور خوف و ہراس پھیلانے اور مارنے پیٹنے اور قتل و غارت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہمارے عدالتی قوانین میں دہشت گردی تعریف جو ہمارے نظام کے مخالفین ہیں کو محاربہ کا عنوان دیا جاتا ہے اور ان کے لیے محاربہ کی سزا تجویز کی جاتی ہے جو کہ حقیقت میں وہی دہشت گردی ہے۔ اگر دہشت کو ایک منظم تنظیمی شکل دے دی جائے اور جنگ ہو جائے تو وہ دہشت گردی کہلائے گی یا منظم محاربہ تصور ہوگا۔ اسلام نے لوگوں کو حالت جنگ میں اور دفاعی جنگ میں بھی بہیمانہ اور بے رحمانہ قتل اور لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے منع کیا ہے اور اس کا عملی مظاہرہ پیغمبرؐ اسلام اور آئمہ معصومین علیہم السلام نے جن غزوات میں شرکت کی کیا ان

ہستیوں نے جنگ کے سخت حالات میں بھی جہاں اپنے دفاع میں بھی سب کچھ کیا جاسکتا تھا دشمن کے ساتھ نہ کیا۔ جنگ صفین اور جنگ جمل اور جنگ نہروان کے واقعات اس کے شاہد ہیں۔ اسلام نے بہیمانہ اور غفلت میں قتل کرنے کو منع کیا ہے اس بنیاد پر ایسے قتل کو دہشت اور دہشت گردی کے ضمن میں لیا جاسکتا ہے۔

دہشت کے سلسلہ میں ایک اور نظریہ پر غور کیا جاتا ہے کہ کیا قانونی دفاع، آزادی کے لیے تحریکیں، جنگیں، چھاپہ مار اور علیحدگی پسند جنگوں میں فرق ہے۔ مثلاً دفاع کی صورت میں حملہ آور کو قتل کیا جائے تو دہشت تصور نہ ہوگا بلکہ دفاعی قتل شمار کیا جائے گا۔ بنابریں دفاعی جنگ اور محاربہ فساد فی الارض کو دفع کرنے کے لیے جنگ دہشت اور دہشت گردی نہیں بلکہ فساد اور فتنہ کو ختم کرنے کے لیے جنگ تصور ہوگی۔ تہذیب مفاد پرستی خودغرضی اور مطلق العنانی کی وجہ سے ہے جو پوری دنیا میں پھیل گئی ہے اسلامی دنیا میں بھی اس کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اکثر ائمہ علیہم السلام دہشت گردی کے ذریعہ سے ہی شہید کئے گئے۔ یہ دہشت گردی انفرادی طریق پر تھی مگر آج کل جہاں دنیا نے مادی ترقی دینی اور اخلاقی طرز سے عاری ہوکر کی ہے وہاں دہشت گردی کا مرض انفرادیت سے اجتماعیت کی شکل میں مغرب کی مفاد پرستی اور خودغرضی کی وجہ سے تیزی سے تبدیل ہوتا جارہا ہے۔

امریکہ اور یورپ آج کل اسلامی دنیا پر دہشت گردی کا جھوٹا اور غلط الزام لگارہے ہیں اور امریکہ طاقت کے بل پر یہ کہہ کر اسلامی ملکوں کو اپنے مفاد کی غرض سے زیرنگیں رکھنا چاہتا ہے۔ اسلامی ملکوں میں جو تحریکیں چل رہی ہیں جیسے فلسطین،

افغانستان اور کشمیر وہ درحقیقت غاصبوں کے خلاف ہیں دہشت گردی نہیں۔ یہ تحریکیں بھی مغرب کی سوچ کا نتیجہ ہیں کہ مسلمان متحد نہ ہوسکیں کہیں فرقہ واریت اور کہیں گروہی تنازعات پیدا کر دیئے تا کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں اور کمزور ہوتے رہیں۔ جب یہ دہشت گردی کی لعنت مغرب سے پیدا ہوکر مشرق میں مسلمان ملکوں میں دہشت گردی کی اصطلاح (Terrorisom) پہونچی اور یہ لفظ استعمال کیا جانے لگا تو ایسے گروہ پیدا ہو گئے جو اس پر عمل کرنے لگے۔ منافقین اسلام نے اس گروہ سے فائدہ اٹھایا اور اسلامی مما لک کا گرانبہا سرمایہ اور قیمتی جانیں اس کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ پوری دنیا کو بتایا جائے کہ دہشت اور دہشت گردی ایک منظّم نیٹ ورک مغرب کی اصطلاحات میں سے ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کا اس سے نہ کوئی تعلق ہے اور نہ تھا، اسلام نے دہشت گردی کی سخت مخالفت کی ہے۔ اسلام دنیا میں (Terrorisom) دہشت گردی ازم یا منظّم گروہ تنظیم یا نیٹ ورک کی شکل میں نہیں رہا ہے اس لیے اسلامی عقائد، قرآن اور فرمودات آئمہ علیھم السلام کی روشنی میں اس امر کی وضاحت انتہائی ضروری ہے کیونکہ امریکہ اور یہودی دنیا اپنے مفاد کے تحفظ کی خاطر اس مکروفریب کا استعمال کررہا ہے تاکہ اسلامی دنیا پر دہشت گرد ہونے کا الزام آئے۔

امریکہ اور اس کے حامی اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کے جھوٹے دعویداروں کے طرز عمل سے پوری دنیا پر ان کی منافقت اور شیطانیت واضح ہوچکی ہے لہٰذا جو کچھ امریکہ مشرق وسطیٰ اور افغانستان میں دفاع کے نام پر کررہا ہے ہرگز دفاع نہیں ہے۔ دفاع جب ہوتا ہے جب کسی پر حملہ کیا جائے تو اس کے خلاف دفاع کیا



یاامام المنتظر العجل العجل یاامام المنتظر العجل العجل یاامام المنتظر العجل العجل یاامام المنتظر العجل العجل

یاامام المنتظر العجل العجل یاامام المنتظر العجل العجل یاامام المنتظر العجل العجل

جائے گا۔ افغانستان اور عراق میں بڑے پیانے پر بمباری اور قتل وغارت گری صرف چھوٹے سے گروہ کو پکڑنے کے لیے ہرگز دفاع نہیں ہوسکتا بلکہ ظلم کی زد میں آتا ہے۔ امریکہ اپنے تمام ظالمانہ اقدامات کو حق اور فلسطین اور مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک میں جہاں تحریکیں چل رہی ہیں دہشت گردی قرار دیتا ہے امریکہ اور اس کے حواری جو کچھ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے بہانے سے کر رہے ہیں وہ خلوص اور نیک نیتی پر مبنی نہیں بلکہ اپنے ظالمانہ اہداف تک پہونچنے کے لیے ہے۔

دراصل تمام اقدام جو انسانی حقوق اور بین الاقوامی امنیت کے نام پر کئے گئے ہیں وہ امن کے بجائے ظلم پر مبنی ہیں۔ کیا یہ انسانی حقوق اور امن کی تعریف میں آتا ہے کہ صرف پانچ ممالک کے پاس ویٹو کا حق ہو امریکہ اور اس کے حواریوں کا ہدف پوری دنیا پر حکمرانی کا خواب ہے جس کی بنیاد تفریق اور ظلم پر ہے۔

## دہشت گردی کے اسباب

اب ہم اُن عوامل پر غور کرتے ہیں جن کے سبب دہشت گردی پھیلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں تہذیبوں کا ٹکراؤ ایک بڑی وجہ ہے جس سے پہل یہ ٹکراؤ ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے یہ ٹکراؤ لڑائی اور بالآخر عالمی جنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ ٹکراؤ اس زمانہ میں کچھ ایسی ہی شکل اختیار کرتا ہوا دکھائی دے رہا ہے اور تہذیب یافتہ قومیں ایک عالمی جنگ کی طرف جا رہی ہیں۔

## تہذیبوں کا ٹکراؤ

جب ایک قوم دوسری قرم کو زیرنگیں کرتی ہے یا ایک ملک دوسرے ملک پر قبضہ کرتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنی تہذیب اپنی زبان اپنی ثقافت وغیرہ کو محکوم قوم پر

مسلط کرتا ہے جس کی مثال برصغیر ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط ہے کہ برصغیر پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی تہذیب اپنی زبان اور اپنی ثقافت کو رواج دیا اور جن لوگوں نے ان چیزوں کو اپنایا انھیں ملازمتیں اور جاگیریں عطا کیں اور ان کی حوصلہ افزائی کی نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں قوموں میں تہذیبوں کے اختلاف کی وجہ سے ٹکراؤ شروع ہوگیا اور بڑھتے بڑھتے انگریزوں کو برصغیر سے نکلنا پڑا۔

ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے کہ تہذیبوں کا ٹکراؤ اس زمانے میں لڑائی اور بالآخر عالمی جنگ میں تبدیل ہوتا نظر آرہا ہے ایسی جنگ مختلف گروپوں جو مختلف تہذیبوں کے حامی ہوں گے ایک معمولی غلطی کی وجہ سے چھڑ سکتی ہے جس میں ایک جانب مسلم ہوں گے اور دوسری جانب غیر مسلم ہوں گے۔ اس کی وجہ حکومتوں اور تہذیبوں کے درمیان عدم توازن ہے جیسے چین کی تہذیب اور دوسری قوموں کے درمیان عدم توازن ہے مشرق اور جنوب مشرقی ایشیا میں چین کا پھیلاؤ امریکہ کے مفاد کے خلاف ہے۔

## مذاہب کے درمیان ٹکراؤ

دوسری وجہ مذاہب کے درمیان ٹکراؤ ہے اس وقت دنیا میں جو بڑے مذاہب ہیں وہ عیسائی مذہب اور اسلام ہیں ہر ایک اپنے مذہب کو کل دنیا پر پھیلانا چاہتے ہیں اور اپنے اپنے حلیف مذہبی ملکوں کو اپنا ہم خیال کررہے ہیں۔

عیسائی اور یہودی ایک طرف دوسری جانب مسلمان ملکوں میں عدم اتحاد کے باعث انتشار۔ جب سُپر پاور امریکہ کے موجودہ سربراہ بُش برسرِ اقتدار آئے تھے تو اُن کے خطاب کا پہلا فقرہ عراق اور افغانستان کی لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے یہ

تھا کہ یہ ''صلیبی جنگ'' ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ نئ نہیں بلکہ ماضی سے حال میں منتقل ہوئی ہے ہر دور کی تاریخ بتاتی ہے کہ فتنوں اور جنگوں کو ہوا دینے والے اور عیسائی ممالک کو مسلمانوں اور مسلمان ملکوں کے خلاف ابھارنے والے یہودی ہیں تاکہ دونوں لڑ کر تباہ ہو جائیں اور پھر یہودی کل دُنیا کا اقتدار حاصل کر کے اپنے مذہب کو غالب کر دیں۔ یہودی اپنے عزائم کو پورا کرنے کے لیے یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ مسلمان دہشت گرد ہیں اور امن عالم کو تباہ کرر ہے ہیں۔

## سپر طاقتوں کے ذاتی مفاد

تیسری وجہ سپر طاقتوں کے ذاتی مفادات ہیں وہ کل دنیا کے مادی وسائل تیل، سونا وغیرہ جو دنیا میں ہیں اپنے قبضہ میں لینا چاہتے ہیں اور اس کے لیے ہر حربہ استعمال کرر ہے ہیں تاکہ مسلمان ممالک طاقت حاصل نہ کرسکیں اور اُن کے محتاج رہیں۔ اس لیے مسلمان ممالک کو دہشت گردی کی جڑ قرار دیتے ہیں جو قطعاً غلط، جھوٹ اور فتنوں پر مبنی ہے۔

## دشمنان اسلام کا مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا پیش کردہ اسلام

ایک بابصیرت انسان کے لیے اور امر ونواہی۔ مسلمان کا فعل وکردار اور رسم ورواج دو مختلف چیزیں رہی ہیں برخلاف اس کے کور باطن اور بے بصیرت حضرات اور اسلام دشمن عناصر نے عوام الناس کے سامنے ہمیشہ بے معرفت مسلمان کے فعل اور اسلام کے احکامات کو بالکل متحد کر کے پیش کیا ہے کوتاہ بین مغربی منتشرقین یا مغرب زدہ ناحق شناس مسلمانوں نے یہ نعرہ لگا لگا کر اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے عوام کو

اسلام سے نا آشنا رکھا ہے ایسے لوگ رسولؐ پر بھی یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے تحصیل علم کسی اور اہل کتاب سے کیا ہے لیکن کسی ایسے فرد کا نام بتانے سے بالکل قاصر ہیں جس سے رسولؐ اسلام نے کسب علم کیا ہو۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معلّم نہ کوئی انسان ہے اور نہ کوئی جن اور نہ مَلک بلکہ خود خداوند عالم ہے جیسا کہ سورہ النساء آیت ۱۱۳ میں ارشاد ہے۔

"اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی اور تم کو وہ سب کچھ تعلیم کر دیا جو تم نہیں جانتے تھے۔"

پروردگار عالم نے انسان کو جو سب سے بڑی نعمت عطا کی ہے وہ عقل ہے۔

ذیل میں ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک مناظرہ جو یہود۔ نصاریٰ۔ دہریہ۔ ثنویہ اور مشرکین کے ساتھ ہوا اجمالاً تحریر کرتے ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہوگا کہ اس میں کہیں تو حکمت ہے کہیں موعظہ حسنہ اور کہیں مجادیہ حسنہ ہے اس مناظرہ کو شیخ احمد بن علی بن ابی منصور طبرسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے نقل کر کے اپنی تصنیف احتجاج میں تحریر فرمایا ہے۔

یہود نے کہا کہ ہم حضرت عزیز کو ابن اللہ کہتے ہیں اور اے محمدؐ ہم تمہارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ دیکھیں تم کیا کہتے ہو اگر تم نے ہماری پیروی کر لی تو ہم تم سے سابق ہوئے اور افضل ہوئے اور اگر اختلاف کیا تو پھر ہم مناظرہ کریں گے۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد لوگوں نے توریت کو بھلا دیا تھا اور حضرت عزیر نے اسے دوبارہ زندہ کیا اس لیے ابن اللہ ہیں۔

رسالت مآبؐ نے یہودیوں سے یہ منوالیا کہ حضرت عزیر بذریعہ تو الدو

تناسل خدا کے بیٹے نہیں اور یہ عقیدہ کفر ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو اوّل توریت لایا وہ صاحب کرامت ہے اور ابن اللہ کہے جانے کا حقدار ہے اس لیے جناب موسیٰؑ افضل ہوئے۔ اگر تمہارے نزدیک مفقود ہونے پر توریت کا احیا کرامت ہے تو خدا کی جانب سے پہلے پہل جس کو حاصل ہوئی وہ زیادہ صاحب کرامت ہوگا۔ اور وہ جناب موسیٰؑ ہوئے اور جب حضرت عزیر ابن اللہ ہوں تو جناب موسیٰ افضلیت کی وجہ سے ان سے بھی بلند ہوئے۔ یہود قائل ہو گئے۔

نصاریٰ نے کہا کہ مسیحؑ ابن اللہ نہیں اور خدا ان سے متحد ہے اے محمدؐ جس کے ذریعہ انسان خیر و شر، صحیح و غلط، مفید و غیر مفید، کامل و ناقص کے فرق کو سمجھتا ہے اور پھر استدلال کے ذریعہ فرق نہ کرنے والوں کو ان کی غلطی سے مطلع کرتا ہے ان فرق نہ کرنے والوں کی چند قسمیں ہیں ایک وہ جو فرق کی طرف ملتفت ہی نہیں ہیں دوسرے وہ جو ملتفت تو ہیں مگر ماحول کے اثر سے غلط راہ پر آ گئے ہیں ایسے لوگوں میں سمجھنے کی صلاحیت باقی ہوتی ہے اور تیسرے وہ جو التفات اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت کے باوجود غلطی پر مُصر رہتے ہیں ایسے لوگ حق کی بے پناہ قوت کی وجہ سے اصرار سے باز آ سکتے ہیں اور چوتھے وہ لوگ جو احقاقِ حق کے باوجود اصرار سے باز نہیں آتے یا تو اس لیے کہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے مقابلہ میں تعصب زیادہ حاوی ہے یا اپنی سابق بے راہ روی کی شرم اعتراف حق نہیں کرنے دیتی یا مادی لذتوں کی کشش مانع ہوتی ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کو تو سمجھ جاتے ہیں لیکن اعتراف نہیں کرتے بلکہ موقع پا کر اس حق فہمی کو اپنی عقل کا نتیجہ قرار دیتے ہیں تا کہ ان کی برتری قائم رہے اسی لیے قرآن مجید میں دعوت الی الحق کے تین طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) حکمت

(۲) موعظہ حسنہ (۳) مجادلہ حسنہ (سورہ نحل) حکمت ان عقلی دلیلوں پر مشتمل ہوتی ہے جنہیں عقل قہراً مانتی ہے جن میں تامل کے لیے کوئی مقام نہیں ہوتا جیسے کسی شے کا بیک وقت متحرک وساکن ہونا عقل میں نہیں آتا اگر کوئی شخص کسی بات کو نہ سمجھتا ہو تو سمجھا دینے کے بعد اسے مان لے گا۔ موعظہ حسنہ وہ طریقہ ہے جو اخلاقی قدروں اور خوبیوں سے وابستہ ہے جیسے کسی کہنا کہ جب تم ایک معمولی انسان کا شکریہ ادا کرتے ہو تو خدا کا شکرادا کرنا بدرجہ اولیٰ ہے۔ مجادلہ حسنہ ان مسلمات تمہارا کیا فیصلہ ہے اگر متفق ہوتو ہم افضل پیغمبرؐ نے ان سے اقرار لے لیا کہ خدا کے لیے توالدوتناسل کے ذریعہ ایسا فرزند محال ہے جب النصرانیوں نے دوسرا پہلو یہ اختیار کیا کہ آسمانی صحیفوں میں حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے کہ میں اپنے باپ کی طرف جارہا ہوں اوران کا قول غلط نہ ہوگا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم اپنی کتاب پر عامل ہوتو اس میں تو اس طرح درج ہے کہ میں اپنے اور تمہارے باپ کی طرف جارہا ہوں لہٰذا سب خدا کے بیٹے ہوئے اور ایسی صورت میں حضرت عیسیٰؑ کی کوئی خصوصیت نہ رہی۔

دہریہ نے کہا کہ اشیاء عالم کی کوئی ابتدانہیں ہے یہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی جس کی دلیل یہ ہے کہ ہم نے اشیاء کے حادث ہونے کا مشاہدہ نہیں کیا اس لیے ہمیشہ سے ہیں اور چونکہ فنا کا مشاہدہ نہیں کیا اس لیے کہتے ہیں کہ ہمیشہ رہیں گی۔ حضورؐ نے جواب میں فرمایا۔ عالم کے متعلق دوقول ہیں یا تو حادث ہے یا قدیم اگر حادث ہوگا تو قدیم نہ ہوگا اور اگر قدیم ہوگا تو حادث نہ ہوگا کیونکہ حادث کے وجود ابتدا ہوتی ہے اور قدیم کے وجود کی ابتدا نہیں ہوتی تم نے علالم کے قدیم کو دیکھا ہے جو اسے قدیم کہہ رہے ہو دہریہ اب عالم کو نہ حادث کہہ سکتے تھے نہ قدیم کیونکہ انہوں نے

نہ اس کا حدوث دیکھا اور نہ قدیم اور نہ ہی عالم کی دونوں صورتیں بتا سکتے تھے اور نہ ہی دونوں صورتوں کا انکار کر سکتے تھے پھنس کر رہ گئے۔

ثنویہ اس کے قائل تھے کہ نور و ظلمت دونوں مدبّر عالم میں خیر کا صانع الگ ہے اور شر کا الگ اور وہ دونوں قدیم ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا کہ عالم میں ہزاروں چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لیے دو کیا کئی ہزار خالقوں کی ضرورت پڑے گی اس لیے یا تو مخلوق کے تضاد خالق کے تضاد اور تعداد کا سبب نہ مانا جائے یا ہر دو تضاد کے لیے دو دو خالق فرض کیے جائیں اس کا جواب ناممکن ہوا۔

مشرکین کا قول تھا کہ بُت ہمارے معبود ہیں ہم ان بتوں کے ذریعہ خدا کی بارگاہ میں قرب حاصل کرتے ہیں۔

حضورؐ نے صرف اتنا دریافت فرمایا کہ کیا یہ سنتے بھی ہیں خدا کے مطیع بھی ہیں جو تقرب کا ذریعہ بنے ہیں۔ مشرکین اس کا انکار نہ کر سکے۔ پھر حضورؐ نے ان کی توجہ اس طرف دلائی کہ جب یہ بت سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ تم نے انہیں پتھر سے تراشا ہے تو تم ان کے خالق ہوئے لہٰذا ان بتوں کو تمہاری عبادت کرنا چاہیے جو وہ نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر مشرکین تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ آخر میں حضورؐ نے سب سے فرمایا کہ میں صرف اللہ پر ایمان رکھتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے سوا ہر معبود پر اپنی حجت بنا کے مبعوث فرمایا ہے اور جو لوگ اس کے دین برحق میں مکر کرتے ہیں خدا ان کے مکر کو عنقریب ان کی گردنوں میں پھندے کی طرح ڈال دے گا۔

یہود و نصاریٰ اسلام کے تاریخی دشمن ہیں ان کی خفیہ اور علانیہ سازشیں

امت اسلامیہ اور اس کی روح کے خلاف سیلاب کی طرح بڑھیں نتیجے میں مسلح استعماری جنگیں رونما ہوئیں۔ ان کو شکستیں ہوئیں چونکہ اسلام کی گرفت مسلمانوں پر مضبوط و مستحکم ہو چکی تھی اس لیے رسالت مآبؐ کے زمانہ حیات میں ان بیرونی دشمنوں پر اسلام کا غلبہ رہا۔ لیکن اسلام کو زک دینے اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے میں جو کردار منافقین نے ادا کیا اس کی بُو حیات رسالت مآبؐ کے واقعات و حالات جو تاریخ نے بیان کیے ہیں میں سونگھی جا سکتی ہے لیکن رسالت مآبؐ کی رحلت کے بعد منافقین کی سازشیں عملاً ظاہر ہوئیں۔ سنت رسولؐ سے انحراف قرآن مجید کی تحریف اور تاویل اپنے اغراض و مقاصد کے تحت لی گئیں۔ وہ خدا جس نے اپنے حبیب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو علم ماکان و مایکون دیکر جامع السعادات بنایا وہ خدا جس نے اپنے رسول کو خاتم الانبیاء اور ان کی شریعت کو خاتم الشرائع قرار دے کر اس کے حلال و حرام کو اس طرح دائمی اور ابدی بنا دیا کہ پھر باجماع مسلمین کس کو تغیر و تبدّل کا حق باقی نہ رہا وہ خدا اس کے اصول محکم۔ قوانین مستحکم اور احکام مستقیم ہیں وہ خدا جس نے امت اسلامیہ کے لیے بعد رسولؐ نجات کا سامان مہیا کر کے ابدی ضلالت و جہالت سے بچا لیا وہ خدا جس نے امت کو قوانین و اصول کا دستور دینے کے بعد انہیں یہ طریقہ تعلیم کیا کہ الفاظ کے ظاہری معنی پر اعتماد کریں اور اپنی عقل و رائے کے مطابق تاویل و تفسیر نہ کریں لیکن افسوس ہے ان مسلمانوں پر جنہوں نے خدا رسولؐ کے بیان کیے ہوئے طریقہ کو ترک کر کے اپنی رائے سے اجتہاد و تاویل کے دروازے کھول دیے اور قرآن و سنت کے ظاہری معنی سمجھتے ہوئے صرف اپنے ذاتی بغض و عناد اور ذاتی مفاد کی خاطر ان کے مفاہیم کا انکار کر کے امت اسلامیہ کی بربادی کا انتظام کر دیا اور حکومت الٰہیہ

کے بجائے۔ ملوکیت کی بنیاد رکھ دی یہ وہ داخلی دشمن تھے جن سے حق پرست مسلمانوں نے ظلم سہے۔ زبانیں کٹوائیں۔ کھالیں کھنچوائیں اور اپنی گردنیں کٹوا اپنے لہو کی سرخی سے اسلام کے نام کو باقی رکھا۔ لیکن ملت اسلامیہ اسلام کی روح سے اس قدر نا آشنا ہو کر رہ گئی کہ مسلمان بادشاہوں کی تاریخ کو اسلام کی تاریخ ان کے اعمال کو اسلامی عمل ان کے احکام کو اسلامی احکام سمجھنے لگی اس حد تک کہ قرآن مجید کو جنگ صفین میں نیزوں پر بلند کیا گیا اور وہ عظیم اور مثالی دین اسلام محض نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ وہ بھی اختلافی طریقہ، عبادات پر منحصر ہو کر رہ گیا۔ اور ملت اسلامیہ مختلف فرقوں میں بٹ کر زوال پذیر ہو گئی اور ازلی دشمنان اسلام جن کی در پردہ سازشوں سے خود مسلمان اسلام سے منحرف ہو گئے اس سرد صلیبی جنگ میں کامران و فتح یاب ہوئے اور حکومت الٰہیہ آج تک قائم نہ ہو سکی۔ ان دشمنان اسلام نے سب سے بڑا حربہ مسلمانوں پر یہ کیا کہ اپنی سیاسی پالیسی کے تعین میں مختلف ذرائع اور وسائل سے یہ راگ الاپنا شروع کیا کہ دین سیاست سے جدا ہے جیسا کہ انہوں نے خود اپنے مذاہب میں کر رکھا ہے اس لیے وہ اعمال جو عبادت کے طور پر انجام پاتے ہیں یعنی نماز، روزہ، دعا، حج، عیدین وغیرہ کی تقریبات ان میں سیاست کا کوئی شائبہ نہ ہو کیونکہ عبادت کا سیاسی مسائل کے ساتھ مخلوط کرنا عبادات کی معنویت اور تقدس کو ختم کر دیتا ہے اور ان کے روحانی اور خدائی پہلو کو کمزور بنا دیتا ہے چنانچہ اس نعرہ سم آلودہ نے مسلمانوں پر اتنا گہرا اثر کیا کہ اسلام کے طریقوں کو فراموش کر کے اور روح اسلام کو بھلا کر عبادت کے اپنے اپنے ایجاد کردہ طریقے اپنا لیے اور سیاست کو چھوڑ کر نہ صرف اپنے عزت و وقار کو ملت اسلامیہ کھو بیٹھی بلکہ بجائے در الٰہی کے دشمنوں کی چوکھٹ پر جبیں سائی کرنے پر مجبور

محتاج ہوگئی اور فرقوں میں بٹ کر وحدت اسلامیہ پارہ پارہ ہوگئی۔ کیا ملّت اسلامیہ کے دعویداروں نے سیاست اور عبادت کے مفہوم کو بھی سمجھا ہے اور یہ کہ یہ دونوں یکجا کیوں نہیں ہوسکتیں کبھی اسیر بھی غور کیا ہے۔ یا ان کی مصلحت اسی میں ہے کہ وہ ان باتوں پر توجہ نہ دیں اور خود خدا اور اس کے رسولؐ سے آگے نکلیں تا کہ خدا اور رسولؐ کی پیروی کے بجائے ان کے پیشرو بن جائیں اور اس طرح اسلام کے ازلی دشمن جو ایسے مسلمانوں کے بظاہر دوست ہیں محفوظ رہ سکیں تا کہ ان کی خفیہ سازشوں سے ملت اسلامیہ کبھی متحد نہ ہوسکے۔

آیئے اب ہم اختصار کے ساتھ تاریخ کے وہ اوراق الٹتے ہیں جن سے یہ معلوم ہو کہ ازلی صلیبی دشمنوں کے اشاروں پر مسلمانوں نے کب اور کیسے عمل کیا۔

اسلام دنیا میں ملکی فتوحات کے لیے نہیں آیا وہ دنیا میں امن وسلامتی کا پیغام ہے وہ اعمال دنیا سے نجات عقبیٰ کا ذریعہ بتاتا ہے وہ ہمارے دین ودنیا سنوارنے کا دعویدار ہے اگر اقتدار ملکی حاصل ہو تو خدا کے بتائے ہوئے طریقہ سے انتظام کرو۔ اگر اقتدار حاصل نہ ہو تو بھی خدا کے مقرر کردہ نظام کے تحت زندگی گزارو۔ خلافت راشدہ کے بعد معاویہ نے جب اپنی حکومت کو مستحکم کرلیا تو اس نے اپنے بیٹے یزید کے حق میں بیعت لے کر اس کی حکومت کو یقینی بنالیا۔ کون یزید جو دمشق میں پیدا ہوا جس کی ماں کا نام میسون تھا جو نصرانی قبیلہ حنیف سے تھی (بحوالہ علامہ عمر ابوالنصر قدسی) جس کی تربیت وتعلیم مسیحی کاہن لامسق نے کی۔ جس نے اسلام میں لہو ولعب کی رسوم عام جاری کیں۔ رقاصاؤں اور گانے والوں کی پشت پناہی کی شراب نوشی قتل وغارت جاری کیا (بحوالہ صاحب الاعالی) ماؤں بہنوں اور بیٹیوں سے جماع کرنا۔ شراب پی

کرنماز کی توہین کرتا (تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی) مسجد نبوی اور حضرت رسولؐ اللہ کے حرم محترم میں گھوڑے باندھے گئے یہاں تک کہ لید کے انبار لگ گئے (سبط بن جوزی، تذکرہ الخواص الامتہ) اس نے اسلام کے مقابلہ میں ایک نیا فرقہ یزیدیہ قائم کر کے اس کے عقائد کو عراق و موصل میں رواج دیا اور اس کی تعلیم عام کی بے شمار خزانہ خرچ کر کے جا بجا شہروں میں منادی اور مبلغ بھیجے اور اپنی امامت بلکہ بعض مقامات پر نبوت کے عقائد پھیلائے۔ ذرا ان عقائد کو ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ انبیاء کی مخالفت حرام نہیں ایسی مخالفتیں سابقہ قومیں یا امتیں کرتی رہی ہیں۔

۲۔ نبوت کوئی خدائی عہدہ نہیں بلکہ یہ فرضی ڈھکوسلا ہے جو خبریں عوام میں مبلغین کے ذریعہ پہنچائے وہ نبی ہے۔

۳۔ دین اسلام کے بہت سے احکام قابل اصلاح ہیں۔

۴۔ مکہ اور مدینہ کا احترام کوئی چیز نہیں۔ یہ زمین کا خطہ ہے عام خطہ ہائے ارض کی طرح۔ یہ امن کی جگہ نہیں دار الحرب فتنہ کے وقت بن سکتا ہے۔

۵۔ بادشاہ وقت ہر قانون (شرعی) سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔

۶۔ بادشاہ وقت کے مشاغل زندگی انگشت نمائی کے قائل نہیں ہوتے۔

۷۔ آخرت کا مواخذہ محض لوگوں کو خدا نے دھمکانے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

۸۔ یزید مجتہد (بلکہ نبی) ہے اس کو احکام اسلام میں تصرف و ردوبدل کا حق ہے۔

۹۔ خدائے روئے زمین کی حکومت کسی نا اہل کو نہیں دیتا بلکہ غلبہ زبردستی سے جو حاصل کرے وہ اہل ہے۔

۱۰۔ بندہ جو بھلائی برائی کرتا ہے وہ خدا کے حکم و مرضی سے کرتا ہے۔

۱۱۔ یزید کی خلاف برحق ہے۔

۱۲۔ حسینؑ باغی تھے۔

۱۳۔ بادشاہ وقت پر رعایا کی تمام عورتیں حلال ہیں وہ جس عورت سے چاہے ہم بستری کرے۔

۱۴۔ یزید قتل حسینؑ میں حق بجانب تھا کیونکہ حسینؑ بیعت نہیں کرتے تھے۔

۱۵۔ یزید نے انتہائی تدبر سے کام لے کر شرپسند عناصر (یعنی حسینؑ و دیگر اصحاب رسولؐ) سے مملکت کو پاک کیا۔

۱۶۔ رسولؐ کا صحابی ہونا کوئی امتیازی چیز نہیں۔

۱۷۔ حکومت کسی کا ورثہ نہیں ہے جو طاقت غلبہ سے حاصل کرے وہی اہل ہے۔

۱۹۔ بنی ہاشم اور ان کے خاندان کو بنی امیہ پر کوئی فضیلت حاصل نہ تھی۔

۲۰۔ بیعت کا دوسرا نام غلامی ہے۔

۲۱۔ ہر وہ چیز جو انسانی طبیعت کو محظوظ کرے وہ جائز ہے۔

۲۲۔ خمر ایسی چیز نہیں جس کو حرام کہا جاسکے کیونکہ اس سے انسانی دل و دماغ میں قوت آتی ہے (موازنہ حق و باطل از سید علی احمد شاہ)۔

اب ذرا اس مفسد اعظم کے چند اشعار جو کتب تاریخ میں درج ہیں یہ ثابت کرنے کے لیے تحریر کیے جارہے ہیں کہ مسلمان دیکھ لیں کہ اصل دشمن اسلام وہی مسلمان ہیں جن کی تعلیم و تربیت یہود و نصاریٰ کے کاہنوں نے کی یا جن کے باپ داداؤں کے دلوں میں اسلام کی رمق تک نہ تھی بلکہ حصول اقتدار کی خاطر مسلمان ہو گئے تھے۔ ملاحظہ کیجئے کہ اس ملعون اعظم نے رسولؐ، قرآن، احکام قرآن عبادات،

اسلام، اہل بیت رسولؐ اور ازواج رسولؐ کا کس طرح تمسخر اڑایا ہے۔ ہم صرف اردو ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

"کاش میرے جنگ بدر والے بزرگ جو قتل ہوئے تھے موجود ہوتے تو مشاہدہ کرتے فریق مقابل کی گھبراہٹ کا نیزوں کے مقابلہ میں۔ سن لو اپنے بزرگوں (خندف۔ عقبہ) کی نسل سے نہیں اگر محمدؐ کی اولاد سے ان کے عمل کا بدلہ نہ لوں۔ جو بدر و احد میں ہمارے ساتھ سلوک ہوا تھا اس کا ہم نے پورا پورا بدلہ لے لیا۔ وہ آج دیکھتے ہیں کس طرح رسولؐ سادات سے یزید بدلہ لے رہا ہے۔ اگر میرے بزرگ اس موقع کو دیکھ لیتے تو خوشی کے مارے کھل کھلا کر ہنستے اور کہتے کہ اے یزید کبھی تیرے ہاتھ شل نہ ہوں یہ تو بنی ہاشم کی سلطنت کا کھیل کھیلنا تھا نہ کوئی خبر آئی تھی اور نہ ہی (آسمان سے) وحی نازل ہوئی تھی۔"

"ہاں اے ساقی مجھ کو ایک ایسا ساغر پلا دے جو میرے جسم کے ہر جوڑ و بند کو سیراب کر دے پھر کھڑا ہو کر ایسا ہی ایک جام ابن زیاد کو پلا دے وہ جو خالص دوست اور امانتدار میری تائید کرنے والا اور میرا سرمایہ زندگی اور جنگ میں میرا ہم دست ہے۔

"اگر مجھے محمدؐ سے ملنا ہی پڑا تو ایسی شراب میں مست ہو کر ملوں گا جس کا اثر ہڈیوں تک پہنچ چکا ہوگا۔ پھر کہا

"تیرے پروردگار نے شرابیوں پر واویلا نہیں کیا۔ بلکہ نماز

گذاروں پر۔"

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ یزید کی ماں عیسائی طبقہ سے خرد قبیلہ سے تھی اور اس کا استاد بھی کاہن تھا۔ معاویہ اس کے باپ نے اُس کو ننھیال میں اس غرض سے چھوڑ رکھا تھا کہ وہ پوری طرح اسلام کے ازلی دشمنوں سے تعلیم و تربیت حاصل کرلے اور اس عرصہ میں اپنی حکومت کو مضبوط کرلوں پھر اپنی زندگی میں اسے تخت امیہ کا وارث بنا کر اپنے اسلاف کی طرح اولاد ہاشم کو مکہ کی سربراہی، خانہ کعبہ کی تولیت اور حکومت الٰہیہ کے تخت پر نہ بیٹھنے دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسلام اور عقائد اسلام، قرآن اور احکام قرآن، خدا اور اس کے رسولؐ کی بنی امیہ نے جن کی پشت پر اسلام کے دشمن یہود و نصاریٰ تھے ایسی مٹی پلید کی وہ بھی اسلام کے نام پر کہ آج وہ اسلام جو رسالت مآبؐ لائے تھے نہ پھیل سکا۔ یزیدیہ فرقہ نے خرد قوم میں زور پکڑا اور اسی قوم اور فرقہ کے لوگ فوج یزیدی میں شامل تھے۔ لفٹیننٹ کرنل کے۔ اے رشید نے ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۱ء میں علاقہ فرقہ یزیدیہ میں جا کر جو معلومات حاصل کی تھیں وہ اخبار رسول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کے سنڈے ڈائجسٹ مورخہ ۸ نومبر ۱۹۵۳ء میں شائع ہو چکی ہیں۔ جن کا مختصر ترجمہ اس طرح ہے:۔

"یزیدی فرقہ ابتداء میں خرد آرین نسل سے ہیں جو اس عراق کے علاقہ میں ۵۰۰ ق۔م میں آتش پرست تھے۔ شاید قابیل حضرت آدمؑ کے بیٹے کی نسل سے جس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا اور پھر آتش پرست بن کر کعبہ سے چلا گیا تھا اس کی اولاد سے ہیں۔ یہ ملک طاؤس (طاغوت) آگ اور سانپ کی پرستش کرتے تھے۔ عیسائیت سے پہلے یہ شیطان پرست تھے۔ جو قائم مقام (گورنر) علاقہ نے

سرکاری ریکارڈ سے لفٹیننٹ کرنل کے۔اے رشید کو موقع پر بتایا۔اس سے پہلے سر ہنری لائیارڈ جس نے نینوا کے آثار قدیمہ دریافت کیے اور فرانسیسی مسٹر بوٹا اور ایک برٹش میجر نے دوسری جنگ عظیم میں حالات ریکارڈ کیے ہیں۔اس علاقہ کے لوگوں کا کچھ حصّہ عیسائی ہو گیا تھا اور بعد میں ایک حصہ خرد قبیلہ صفوی مسلمان ہو گیا۔موجودہ یزیدی فرقہ جو خرد قبیلوں سے ہے شام کے شمال مشرق میں پہاڑوں کے درمیان درمیانی خردستان جبل سنہار میں ہے اور تیس ہزار یزیدی فرقہ کی آبادی ہے اور اسی فقرہ کے متعلق عراق کے باشندے یقین رکھتے ہے کہ یہ لوگ کربلا میں واقعہ کربلا میں شریک تھے۔یزید نے ان کے علاقہ میں شیخ عادی جس کا ذکر ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ ابن عدویہ میں کیا ہے کو گورنر بنا کر بھیجا تھا۔شیخ عادی بن مظفر الا مشقی بنی امیہ سے تھا اس نے خردوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور ان میں یزیدی فرقہ کی تبلیغ کی جس سے اس علاقہ کے لوگ فرقہ یزیدیہ میں شامل ہو گئے۔جو موصل کے علاقہ میں تین اضلاع میں پھیلے ہوئے ہیں یہاں اس فرقہ میں یزیدیہ فرقہ کے عقائد کی وجہ سے جو مضبوط ہو گئے تھے۔شیخ عادی کی منظوری سے ایک چشمہ کے ساتھ جس کا نام انہوں نے زم زم رکھا خانہ کعبہ کے بجائے اپنے کعبہ کی بنیاد رکھی اور تعمیر کرایا اور اس میں سیاہ پتھر حجر اسود کے بجائے رکھا اور شیخ عادی کی منظوری سے یہ یزیدیہ فرقہ کی بیت الحج کی جگہ بجائے خانہ کعبہ کے مقرر کی گئی شیخ عادی کے مرنے پر اس کی خانقاہ پر مقبرہ بنایا اور اس زمانہ سے آج تک اس یزیدی فرقہ کی یہی زیارت گاہ وقبلہ وکعبہ ہے جہاں سالانہ زیارت الحج ادا ہوتا ہے۔اس زیارت میں حجر اسود جس پر وہ تیل ملتے ہیں مقبرہ کے اندر سینکڑوں مٹی کے لیمپ جلاتے رہتے ہیں جن میں دو بڑے لیمپ تو ہر وقت جلتے

رہتے ہیں۔ زیارت کے پہلے دروازہ کے دائیں طرف ایک بت بڑے سانپ کا جس کا نام ملک طاؤس (طاغوت) ہے کندہ کر کے بنایا ہوا ہے۔" کرنل رشید لکھتے ہیں کہ "میں ایک الگ گھر میں (جو ریسٹ ہاؤس کی طرح ہے) قائم مقام (گورنر) کے ساتھ دو دن وہاں رہا ہوں اور وہاں تمام عمارات کو خود دیکھا ہے۔ زیارت کے پاس جو سانپ کی شکل ہے وہ ملک طاؤس (شیطان) کی ہے یزیدی فرقہ کا عقیدہ ہے کہ خدا اور ملک طاؤس (شیطان) دونوں بڑے دوست تھے اور اُن کا آپس میں اختلاف ہو گیا اور ملک طاؤس کمزور ہونے کی وجہ سے آسمانوں سے نکالا گیا اور اس نے زمین پر آ کر یہاں بادشاہت بنالی اور اس کے نمائندہ شیخ عادی اور یزید بادشاہ ہیں جن کے عقاید پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔"

علامہ عبدالکریم سمعانی اپنی کتاب الانساب میں لکھتے ہیں کہ "میں نے کوہ حلوان پر ایک جماعت کثیر کو دیکھا جو بہت زاہد و عابد تھے مال حلال کو پسند کرتے مگر اپنے فرقہ کا نام یزیدی رکھ چھوڑا تھا ان کے اعتقاد میں ہر امام (خواہ ناری وگمراہ فاسق و فاجر) جائز الاطاعت تھا میں نے ایک مسجد میں جس کا نام جامع مرج تھا ان کو مجتمع دیکھا حسن بن بندرا البراجردی جو ایک فاضل عالم تھا اس سے فرقہ یزیدیوں نے دریافت کیا کہ مولوی صاحب درباب امامت یزید آپ کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ مولوی نے جواب دیا۔ اس شخص کی میں کیا تعریف کرسکتا ہوں جس کا کئی جگہ قرآن میں ذکر موجود ہے۔ (و یزید اللہ الذین مریم ۷۷/۱۹ و یزید ھم من فضلہ الشوریٰ ۲۶/۴۲ النور ۳۸/۲۴ النساء ۲۳/۴ فاطر ۳۰/۳) یعنی یزید اور یزیدیوں پر اللہ فضل رزق۔ خشوع ہدایت دیتا ہے۔"

قرآن مجید کی آیات کی یہ تاویلات کی گئیں جو اُن زمانوں سے اب بادشاہوں۔ بے علموں اور دنیا خواہوں نے کی ہیں ذرا شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی رائے ان کی کتاب جذب القلوب مطبوعہ نولکشور ۳۲ پر یزید کے متعلق ملاحظہ فرمایئے۔ ''یزید چاہے بیچے چاہے آزاد کرے چاہے خدا کی اطاعت کی طرف بلائے اور چاہے معصیت کی طرف (امام واجب الاطاعت ہے)۔''

ایسے ہی علما زاہد اور صوفیوں کے لیے علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

زمن صوفی و ملا سلامے — کہ پیغامے خدا گفتند مارا
ولے تاویل شان درحیرت انداخت — خدا و جبرئیلؑ و مصطفےؐ را
باطل از تعلیم او بالیدہ است — حیلہ اندازی فن گردیدہ است

پھر فرمایا:۔

زندہ حق از قوت شبیریؑ است — باطل آخر داغ حسرت میری است
بہر حق درخاک اوخوں غلطیدہ است — پس بنائے لا الہ گردیدہ است
نقش الا اللہ ہر صحرا نوشت — سطر عنوان نجات ما نوشت
بر زمین کربلا باریدو رفت — لالہ در ویرانہ ہا کا ریدو رفت

اسلام ایک سیدھا سادھا مذہب ہے اس کے اصول بالکل سادہ تھے جب یہ دنیا میں آیا تو ہر سلیم الفطرت انسان نے اس کے اصولوں کے آگے سر تسلیم خم کیا۔ اسلام چاہتا ہے کہ ہم زندگی کے دشوار گذار راستوں کو وحی کی قیادت میں طے کریں لیکن مادیت پرست عناصر جب اپنی عقل کا دخل دیتے ہیں تب لامذہبیت کی ابتدائی ہوتی ہے اور بالآخر بڑھتے بڑھتے مذہب ایک گورکھ دھندا بن جاتا ہے۔ تصوف اور اس کے

جملہ لوازمات اسلام میں اس قدر سرایت کر چکے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود خدا اور اس کا رسولؐ یہی اسلام چاہتے تھے جو اس کے بندے اختیار کریں۔ آیئے ہم اس کی ابتدا پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ کتاب الغزالی صفحہ ۸۹ پر امام قشیری کے مشہور رسالہ قشیریہ کے حوالہ سے تصوف کا ذکر اس طرح ہے کہ "رسولؐ مقبول کے زمانہ میں ان کے ساتھی صحابہ کہے جاتے تھے اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا تھا کیونکہ شرف صحبت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں۔ لقب صوفی دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے رواج پا چکا تھا (رسالہ قشیریہ و ذکر مشائخ طریقت) صاحب کشف الظنون کا بیان ہے کہ سب سے پہلے صوفی کا لقب ابو ہاشم صوفی کو ملا جن کی وفات سنہ ۱۵۰ھ میں ہوئی۔" یہ لقب غالباً ان کے زہد، تقویٰ، توکل کی بنا پر ملا ہوگا جس کو بانیان اور بزرگان تصوف نے ان کی وفات کے بعد ان کے لیے تجویز فرمایا ہوگا۔ اس کی وجہ تسمیہ کے متعلق اختلاف ہے۔ صحابہ میں سے جو اہل صفہ کہلاتے تھے یا صفا سے مشتق ہے۔ یا صف سے لیکن سب اقوال غلط ہیں یا صوف کپڑا پہننے والے کو صوفی کہا جاتا تھا۔ اب ذرا حقیقت و ماہیت تصوف کے سلسلہ میں خود بانیان تصوف کا اختلاف ملاحظہ فرمایئے، حضرت ذوالنون مصرف فرماتے ہیں جنہوں نے سب کچھ چھوڑ کر خدا کو لیا ہے۔" حضرت جنید بغدادی کا کہنا ہے کہ جس کا جینا مرنا محض خدا پر ہو حضرت ابو بکر حریری کا ارشاد ہے کہ صوفی وہ تمام اخلاق نیک کا جامع اور تمام بدیوں سے بری ہو اور منصور حلاج کا کہنا ہے کہ صوفی وہ شخص ہے کہ نہ اس کو کوئی پسند کرے نہ وہ کسی کو پسند کرے (رسالہ امام قشیری) شیخ شہاب الدین سہروردی اپنی کتاب عوارف المعارف میں تصوف کے متعلق بہت اختلافی اقوال دکھا کر فرماتے ہیں کہ ان میں سے کوئی تعریف جامع اور مانع نہیں

بلکہ ان میں سے ہر بزرگ نے اپنے مذاق کی بنا پر تصوف کے مقامات میں سے کسی خاص مقام کی تعریف بیان کی ہے۔ بعض نے زہد وفقر اور تصوف تینوں کو خلط ملط کر دیا ہے حالانکہ یہ تینوں مختلف اور جدا چیزیں ہیں۔'' پھر لکھتے ہیں کہ تصوف ابتدا میں زہد و عبادت کا نام تھا زہد جس قدر بڑھتا گیا روحانی اوصاف صبر شکر توکل تسلیم ورضا انس و محبت وغیرہ خود پیدا ہوتے گئے عبادت میں توجہ الی اللہ کا زور بڑھا تو مجاہدہ اور مجاہدہ سے کشف الہام اور بعض قسم کے فرق و عادات کا ظہور ہوا''۔ غرضیکہ رفتہ رفتہ تصوف بہت سی چیزوں کا مجموعہ بن گیا اسی بنا پر ہر شخص نے تصوف کی نئی اور جدا تعریف بیان کی۔ امام غزالی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علمی طور پر فن تصوف کو مرتب کر کے جدید اصطلاحیں ایجاد کیں اور اپنی کتاب احیاء العلوم میں ان کی شرح بھی کی علامہ خلدون اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں دونوں طریقوں کو جمع کیا ہے چنانچہ درع اور اقتدا کے احکام لکھنے کے ساتھ ساتھ ارباب حال کے آداب اور طریقہ بتائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تصوف بھی باقاعدہ علم وفن بن گیا۔''

امام غزالی کا خلاصہ حقیقت تصوف یہ ہے کہ تصوف شریعت کی طرح دو چیزوں سے مرکب ہے علم وعمل لیکن فرق یہ ہے کہ شریعت میں علم کے بعد عمل پیدا ہوتا ہے اور تصوف میں عمل ریاضت اور بعد کو اس کی قوت سے علم از خود آجاتا ہے جسے تصوف میں الہام کہتے ہیں۔ اس قسم کا ادراک صرف مجاہدہ اور تزکیہ نفس سے ہوتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے انسان تمام دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہو اور زبان سے اللہ اللہ کہتا جائے رفتہ رفتہ مشق کرے پھر تصوف جمائے کہ اللہ کا لفظ دل سے نکل رہا ہے حتیٰ کہ اس حالت مجاہدہ سے مکاشفہ شروع ہوگا جس سے تمام اشیا کی حقیقت

کھل جائے گی یہ اسرار قلب کے عجائبات ہیں جن کے ظاہر کرنے کی علم معاملہ میں اجازت نہیں۔"

اس مسئلہ یعنی حواس ظاہری کے سوا علم ادراک کا ذریعہ اور ہے قائل بہت قدیم زمانہ سے طبقہ یونان کے حکمائے اشراق میں جن کا سردار افلاطون اور ارسطو تھا جس بنا پر وہ فرقوں سے ممتاز تھے یورپ سے بڑھ کر کون مادہ پرست ہوسکتا ہے تاہم وہاں بھی ایک گروہ موجود ہے جو کہ روحانی ادراک کا قائل اس گروہ کو مادیت سے بلند فرقہ یا روحانی فرقہ کہا جاتا ہے۔ لفظ تصوف کی اور توضیح بھی ہے وہ یہ کہ یہ لفظ اصل میں حرف "سین" سے سوف تھا جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتب کا عربی ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عربی زبان میں استعمال ہونے لگا اس وقت حضرات صوفیہ میں حکما کا انداز پایا جاتا تھا اس لیے لوگوں نے ان کو سوفی بمعنی حکیم کہنا شروع کیا رفتہ رفتہ س۔ص سے بدل گیا۔ (علامہ ابوریحان البیرونی کی کتاب الہند)۔

اس موقع پر ہم فرمان رسولؐ تحریر کرتے ہیں جو کہ آپ نے بعض اصحاب کو تارک الدنیا بنے اور پشمینہ پوش ہونے کے ارادہ پر فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ابن مسعود، مقداد، ابوذر، سلمان، سالم، عثمان بن مطعون، معقل بن مخزون وغیرہ نے ابن مطعون کے گھر میں یہ مشورہ کیا کہ ہم عمر اس طرح گذاریں کہ دیں کو روزہ رکھیں رات کو عبادت کریں، رات سونے، گوشت، چکنائی اور عورتوں کے پاس جانے کو ترک کریں کمبل اور کھال کے کپڑے پہنیں۔ جب حضرت کو یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے منع فرمایا اور پارہ ۷ سورہ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

''اے ایمان والو نہ حرام کرو اُن پاک چیزوں کو جن کو خدا نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے حد سے نہ بڑھو بالتحقیق خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا''

ہم نے دیکھا کہ بعد وفات رسولؐ ان کے صحابہ اور ائمہ طاہرینؑ کے امام قشیری اور امام غزالی کو ۵۰۵ھ میں یہ ابہام ہو کہ کس خصوصیت سے خدا پر وجد و سرور طاری ہو جس سے ان ہم خیالوں اور متوالوں کو ریاضت اور مجاہدے کے عجب عجب رنگ دکھانے کو اجازت دیدی مگر اپنے انبیاء اور صحابہ کو محروم کر دیا حالانکہ خدا اس کا رسولؐ ان کے صحابہؓ اس میں شریک نہیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جہاں اور مخالفانِ خدا اور رسولؐ خدا نے سینکڑوں طریقہ عبادت ایجاد کئے وہاں انہوں نے بھی نیا طریقہ عبادت اختیار کر کے خود کو اور اپنے ماننے والوں کو قابل نجات سمجھ لیا۔ آیئے اب ہم اس طریقہ عبادت کو دیگر مذاہب کے طریقہ عبادت کے موافق دیکھنے کے لیے رسالہ ''نگار'' ماہ جولائی ۱۹۲۹ء میں عبدالمالک الرومی کے مضمون کا جو تواریخ کے حوالہ جات پر مبنی ہے خلاصہ تحریر کرتے ہیں:۔

ڈاکٹر نکلسن فرماتے ہیں کہ تصوف کا زاہدانہ رجحان مسیحی اصول کے بالکل موافق ہے انجیل کے بہت سے اقتباسات اور حضرت مسیحؑ کے مقالات صوفیائے کرام کی سوانح میں پائے جاتے ہیں اور یہ بھی مسلّم ہے کہ پشمینہ (صوف) کا لباس جس سے اصطلاح صوفی بنی ہے مسیحیت کی پیدوار ہے عہد خموشی، ذکر و شغل دیگر اوراد وظائف تصوف بھی اسی زمانہ کی یاد ہے نیز عشق اللہ کے متعلق صوفیہ کے تاثرات اسی مبدا لیے گئے ہیں''۔

"روایات علمیہ کے علاوہ اور بھی بہت سے ذرائع تھے جن کی وساطت سے تجلی معرفت اور حال کے عقائد حاصل کئے گئے۔ یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے مغربی ایشیا اور مصر میں جو تصوف کا گہوارہ تھے اہل یونان کے صوفیانہ افکار اور عقائد موجود تھے جس سے وہاں کے باشندوں سے استفادہ کیا ان میں ذوالنون مصری ایک فلسفی اور ماہر کیمیا علوم یونانیہ کے طالب علم گذرے ہیں جن کے افکار و عقائد ڈیانیس (Diansis) کی تحریروں میں پائے جاتے ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی خیال پیدا ہوتا ہے کہ فلسفہ یونان سے اسلام میں صوفیانہ فکر وفکر و احساس کی وہی اثر آفرینی کی جس سے مسیحیت اثر پذیر ہو چکی تھی"۔

گیارہوں صدی میں مسلمانوں کے فتح ہند سے قبل گوتم بدھ کی تعلیم نے مشرقی ایران اور توران میں ایک گہرا اثر پیدا کر لیا تھا۔ بلخ میں بدھو کی شاندار خانقاہیں پائی جاتی ہیں مشاہیر صوفیہ کا نشیمن ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔ پروفیسر گولڈزہر نے کہا کہ "تارک الدنیا صوفی ابراہیم بن ادہم بلخ کے شہزادہ تھے جو کہ سلطنت چھوڑ کر وجد میں درویش بن گئے تھے ایسے ہی گوتم بدھ نے بھی ترک دنیا کیا تھا صوفیہ نے تسبیح کا استعمال بدھ مذہب کے تارک الدنیا زاہدوں سے لیا ہے اسی وجہ سے اہلحدیث غیر مقلد تسبیح استعمال نہیں کرتے" پھر لکھتے ہیں کہ صحیح طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ طریقہ جہاں تک یہ اخلاقی تربیت نفس مراقبہ زاہدانہ اور ذہنی تجربہ سے متعلق ہے بڑی حد تک بدھ مذہب سے لیا گیا ہے" صوفیہ کا عقیدہ فنا یعنی اپنے آپ کو مٹا کر کلیت میں مل جانا ہندوستان کی پیداوار ہے اس کو پہلے واضح کرنے والے حضرت بایزید بسطامی ہوئے جنہوں نے پیر انور علی سندھی سے سیکھا تھا۔ بدھ مذہب کا 'نروان" تصوف کے عقیدہ


یاامام المنتظر العجل العجل یاامام المنتظر العجل العجل یاامام المنتظر العجل العجل
یاامام المنتظر العجل العجل یاامام المنتظر العجل العجل یاامام المنتظر العجل العجل

فنا سے ملتا ہے۔نروان سے ان کا منشا صرف نفی ہے یعنی انسان کو اپنے خالق کے لیے مٹا دینا اور تصوف میں اس فنا کے بعد دوام بھی حاصل ہے علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں ہی تصوف کا سلسلہ صحابہ،خلفائے راشدین،عشرہ مبشرہ تک پہنچا دیا ہے لیکن وہ ہنگامہ آرائی جو پانچ صد برس بعد امام غزالی یا امام قشیری کے زمانہ سے ہونے لگی تھی وہ فرماتے ہیں۔''صوفیانہ ذوق تمام صحابہ اور پہلی صدی کے مسلمانوں میں بھی رہا ہے لیکن دوسری صدی میں دنیا کی طرف لوگ ایسے مائل ہوئے کہ اس میں مل گئے اس خیال کے کچھ لوگوں کی جماعت اپنے ابتدائی ذوق پر رہی اور وہ صوفی کہی گئی''۔

یہ جماعت دوسرے لوگوں کا حلقۂ ارادت اور پرستاری کا ذریعہ بن گئی اسلام کا شانہ توحید سے اتار کر شرک اور دوئی کی سطح پر کھڑا کر دیا۔اس جگہ عبارت کے نیچے ڈاکٹر گولڈزہر کی کتاب ''اسلام اہل الاسلام کا اشارہ دیتے ہوئے عبدالماجد صاحب تحریر کرتے ہیں کہ اولیا اللہ کی قبروں پر جو آج یہ بدعات ہیں وہ نہایت افسوسناک ہیں یعنی چراغاں کرنا چادریں چڑھانا،ہاتھ جوڑنا،سجدہ کرنا،قوالی کرنا،گانا بجانا وغیرہ'' یہ جماعت ابتدا میں منظّم نہ تھی اس کا ایک رکن مرشد کی طرح اپنے مریدوں کو دینیات کی تعلیم دیتا عشق الٰہی کا راز بتاتا اور مراحل طریقت کی ہدایت کرتا۔ مرشد ایک راہب کی طرح خانقاہ میں گوشہ گیر رہتا اس کے بعد صوفیہ میں بیعت کا رواج ہوا ان میں سلسلہ قادریہ جس کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانی تھے سب سے قدیم ہے۔سب سے آخر سلسلہ ''سنوسیہ'' ہے جو بحر کاہل سے جزائر فلپائن تک پھیلا ہوا ہے چشتیہ شیخ معین الدین چشتی سے منسوب ہے اور صابریہ حضرت صابر سے مشہور ہے۔

بارھویں صدی کے شروع میں ''شیخیہ'' فرقہ نے اسلام کی عزت افزائی کے

لباس میں اسلام کے مسئلہ وحدانیت کو مٹا کر بکثرت خدا بنا دیئے اس فرقہ کا بانی شیخ احمد زین الدین احسائی اصلاً انڈونیشیائی درحقیقت ایک عیسائی مبلغ تھا (پیدائش شیخیہ و بابیہ از علامہ خالصی) جسے مغرب کی کسی عیسائی حکومت نے اسلامی ملکوں میں بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں میں ذہنی انتشار پیدا کرے اس نے ۱۲۱۰ھ میں صوفیوں کے ایک طریق شیخیہ کی بنیاد ڈالی اور کہا خدائے یگانہ ہی حقیقت محمدیہ ہے۔ اس حقیقت نے ہزار سال پوشیدہ رہنے کے بعد پورے اوج کے ساتھ شیخ احمد احسائی اور سید کاظم رشتی میں ظہور کیا ہے اور یہ کہ بارہ سو سال ہجری کے بعد حضرت محمد زمینی کا دور ختم ہو گیا اور احمد احسائی کا دور شروع ہو گیا (جوامع الکلم شرح قصیدہ) احسائی ۱۲۱۲ھ میں مرا تو سید کاظم رشتی اس گروہ کا مرشد بنا اس کا شاگرد کریم خاں کرمانی اور اس کا شاگرد حسین علی (بہا) کے بھائی مرزا یحییٰ (مع ازل) وصی سید علی محمد (باب) تھے۔ پہلے دونوں کو بھی علما شیعہ مثل جواہر الکلام۔ صاحب فضول، آقائے دربندی اور شریف العلماء وغیرہ ہم نے بحث کے بعد دائرہ اسلام نے خارج بتلایا اگرچہ ''بہائے ایقال'' صفحہ ۴۴ میں ان دونوں کو دو چمکتے ہوئے تیر فرمایا ہے (انسائیکلو پیڈیا صفحہ ۱۸۰ جلد ۳)۔

ان دنوں میں روس میر زاد کی عیسائی سفارت کا فعال رکن کینیا زوالگور کی نامی شخص جس نے دوران ملازمت ایران وعراق میں مسلمانوں کو کمزور اور اسلامی حکومتوں کو تباہ کرنے کے لیے جو خدمات سرانجام دیں اس کی رپورٹ وہ زار روس کی مرکزی حکومت کو بھجوایا کرتا تھا جب روس میں زار کی حکومت ختم ہوا اور بالشویک حکومت آئی تو اس نے زار کے ان رازوں کو افشا کیا اور ان یادداشتوں کو سرکاری مجلّہ مشرق کی اشاعت ماہ ''اوت'' ۲۵۔۱۹۲۴ء میں شائع کیا ان یادداشتوں سے معلوم ہوا کہ کس

طرح اس سفیر نے سید باب کو مہدیت کا دعویٰ کرنے کا شوق دلایا اور کس طرح سید علی محمد باب سے دوستی بڑھائی اور شیخیوں کے بالمقابل ایک اور نئے مذہب کو رائج کیا تا کہ اسلام اور اس کے اصولوں کو مسخ کیا جا سکے۔ اس سفیر نے علی محمد کو ''باب علم'' اور صاحب الزمان کہنا شروع کیا اور اس کی جاہ طلبی کی رگ کو پالیا اور اسے اتنی حرکت دی کہ اس کے لیے دعویٰ کرنا آسان ہوگیا اور وہ میدان بابیت میں کود پڑا اور پہلا شخص جو اسیر ایمان لایا وہ یہی شیخ عیسیٰ النگراتی کے نام سے تھا، شیخی مذہب میں توحید، نبوت اور امامت کے بعد یہ عقیدہ چوتھا رکن تھا یعنی وہ امام اور عوام کے درمیان باب یا واسطہ تھا۔ جس کے ذریعہ امامت کے احکام پہنچتے تھے اور اس کی معرفت بھی واجب تھی یہ سفیر ایران میں زار کی حکومت کا سفیر اعظم بنا اور دراصل وہی اس تحریک کا بانی مبانی تھا جس کے چلانے میں روسی خزانہ کھلا ہوا تھا۔ اسلام دشمن عناصر کو خریدا گیا اس تحریک کا اصل مقصد ایران کی اسلامی حکومت ختم کر کے روس کی حکمرانی اور بعد ازاں برصغیر ہندوستان پر اپنے قدم جمانا تھا جیسا کہ بابی کتاب احسن القصص سورہ نور میں درج ایسی ہدایتوں سے ظاہر ہے ملاحظہ فرمائیے۔

''بابیو خدا نے تم پر لڑائی فرض کر دی ہے سو تم شہروں اور لوگوں کو بابی دین کے لیے فتح کرو اور بابیت کے منکروں سے جزیہ قبول نہ کرو مذہب باب کے تمام بادشاہوں پر اللہ نے فرض کر دیا ہے کہ جو دین بیان (بابی بہائی مذہب) کو ہوا اسے زمین پر زندہ نہ رہنے دیں (بیان باب ۱۶) جو بیان پر ایمان نہیں لاتے ان کے مال ان سے چھین لو (بیان باب ۵) سوائے ان کتابوں کے جو اس امر (یعنی باب بہا) کی صداقت کے بارے میں لکھی گئی ہیں یا لکھی جائیں باقی تمام کتابوں کو صفحہ دنیا سے

مٹادو (بیان باب ٦)''۔

روسی رہنماؤں کی یہ خواہش اب تک باقی ہے اور وہ اس کے لیے کوشاں ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ مذہب باب و بہا روسی پیدوار تھا اس لیے سب سے پہلے اس کی اسکیم روس کی مالی اور مادی مدد سے عشق آباد روس میں بنی (بحتہ الصدور مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۷ مرزا حیدر علی اصفہانی) مگر زار کی تباہی کے بعد بالشویک حکومت کو ان کی ضرورت نہیں رہی اور بابیوں کی حالت خراب ہوگئی اس لیے انہوں نے انگریز کی پناہ لی عکا میں پہلے ایران کی مخالفت کی پھر ترکی سے دشمنی کی اور فلسطین کو ترکی کی حکومت سے نکلوانے میں انگریزوں کی مدد کی اس لیے عبدالبہا نے سر کا خطاب پایا اور انگریز گورنر کی کوٹھی پر اس کی خوشی میں جلسہ ہوا۔ (بہاء اللہ اینڈ نیو ایرا صفحہ ۸۰ از امریکی بہائی ڈاکٹر اکسل ماؤنٹ) آخر غداری کر کے اسرائیلی حکومت قائم کرالی اور مسلمان عربوں کو وہاں سے جلاوطن کرایا اور بہائی وہاں اسرائیلیوں کے قوت بازو بنے ہوئے ہیں۔ علی محمد نے پہلے اپنے آپ کو نقطہ کہا اور نقطہ ان کے یہاں وہ ہے جس میں الوہیت و عبودیت دونوں ازل و قدم سے موجود ہے عہد باب میں اس نے گوشت کا لباس اختیار کیا (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجز اینڈ ایتھنکس) عنوان باب کے ذیل میں ہے کہ'' مرزا علی محمد کو بابی ربی الاعلیٰ اور بہاء اللہ کو حق تعالےٰ کہتے تھے۔ پروفیسر براؤن ماہر خصوصی باب و بہا اور مرزا جانی مالی مورخ بابیت اور اس کے دیگر ہم عصر مورخوں نے کہا ہے کہ باب کی پچھلی تحریروں خصوصاً فارسی بیان سے ظاہر ہے کہ پورے مضمون میں ''باب'' خدا سمجھا جاتا تھا۔ (انسائیکلو پیڈیا مذکور)

ہم نے دیکھا کہ تصوف کی بنا کتنا عرصہ رسولؐ، علیؑ، خلفائے راشدینؓ

تابعینؒ اور تبع تابعین کے گذرنے کے بعد چھٹی صدی میں ہوئی اور کسی کو شریک حال ان کا نہیں بتایا تو کیا امام قشیری اور امام غزالی کو الہام یا وحی سے یا خود خدا نے ان پر وحی نازل کی تھی کہ تم اس کا سلسلہ ان ہستیوں تک ملا دو اور اسلام میں مسیحیت اور دیگر مذاہب کی طرح صوفیہ کے فرقہ کو رواج دیکر تمام دنیا کی لغویات اس میں شامل کردو اور فرمان الٰہی اور فرمان رسول کو طبلہ کی تھاپ اور ہارمونیم کی سریلی لے پر خوب جھوم جھوم کر سناؤ اور عشق مجازی سے عشق حقیقی تک پہنچو اور اپنے آپ کو اس خالق حقیقی کی ذات میں ملا دو یہاں رسولؐ ان کے اصحاب اور ان کے گھر والوں کو بھی بھول جاؤ۔

اسلام کی ابتدا عرب کی پتھریلی سرزمین سے ہوئی اور توحید کا پہلا نعرہ بلند ہوا الاعراف اشد کفراً و نفاقاً کے مصداق جو عرب کفار تھے اور ان کے دلوں میں نفاق تھا انہوں نے اسلام کو بظاہر قبول کیا اور جن کے دماغ سادہ اور کورے تھے انہوں نے اسلام کی تعلیم فطرت کو قبول کر کے اسیر عامل رہے۔ جب اسلام دوسرے ملکوں میں پھیلنا شروع ہوا تو چونکہ ممالک کے لوگوں کے دماغ زیادہ باریک بین اور بال کی کھال نکالنے والے تھے اور یونان کا گمراہ کن فلسفہ ان کے دل و دماغ پر پوری طرح مسلط تھا انہوں نے اسلام کے اصولوں پر یونان کے فلسفہ سے پُرعقل کے مطابق سوچنا شروع کیا اور جو مسئلہ ان کی عقل میں آ گیا اسے مان لیا اور جس میں اختلاف نظر آیا اس سے انکار کر دیا۔ اس طرح مسلمانوں میں دو گروہ پیدا ہو گئے ایک وہ جو احکام و اصول اسلامیہ کو قرآن و سنت کی روشنی میں قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کا پابند تھا۔ دوسرا وہ جو فلسفہ یونان سے متاثر ہو وہ مادیت کی رو میں بہہ کر اپنی عقل کے مطابق پرکھنے اور سمجھنے کے بعد قبول یا رد کر دیتا تھا۔ چونکہ دوسرے گروہ کے بیانات عقلیات پر مبنی

ہوتے تھے اس لئے اکثر علماء بھی اس رو میں بہہ گئے اور ایک نئے فرقہ (معتزلہ) کی داغ بیل پڑی جنہوں نے ہر اسلامی اصول اور مسئلہ کو عقل کے مطابق جانچنا شروع کر دیا اور اس فرقہ کو مقبولیت عام ہونے لگی اور اس فرقہ کے علماء نے یونانی فلسفہ اور علوم کی روشنی میں قرآن مجید کی تفسیریں کچھ ایسے نئے اور عقلی انداز سے مرتب کیں کہ المعتزال ایک مستقل مذہب بن گیا جس کی بنیاد یونانی عقلی یونانی فلسفہ اور یونانی سائنس کے اصولوں پر رکھی گئی۔

اب ہم اسلام کے کچھ اور فرقوں کے متعلق اختصار کے ساتھ تحریر کرتے ہیں جنہوں نے دوسرے مذاہب کی طرح اسلام میں وہ باتیں شامل کر لی ہیں جن سے اللہ کی توحید، رسولؐ کی رسالت، نبیوں کی نبوت صحابہ کی صحابیت اور ائمہ کی امامت مجروح ہوئی۔

## تقدس خدا

توریت میں ہے کہ جب طوفان نوحؑ آیا اور پروردگار عالم نے تمام مخلوق کو تباہ و برباد کر دیا تو پھر اسے بہت افسوس ہوا اور اپنے اس کردار پر نادم ہو کر بہت رویا کئی دن تک اس کا رونا نہ تھما یہاں تک کہ آنکھیں سوج گئیں اور فرشتوں نے عیادت کی۔ دوسری جگہ یہ ہے کہ خداوند حضرت ابراہیمؑ کے پاس آیا اور وہ اس کی تعظیم کے لیے اٹھے اس کو ایک درخت کے نیچے بٹھلایا تا کہ اپنے خیمہ سے پانی لے کر اس کے پاؤں دھلا دیں اور روٹی لا کر اس کو کھلا دیں'' یہود نے خدا کو مجسم قرار دیا اسلام کا فرقہ مجسمہ بھی اسی طرف چل پڑا جو پروردگار عالم کو مجسم تسلیم کرتا ہے اور تمام گوشت پوست

استخوان، خون ہاتھ پاؤں ناک کان آنکھ وغیرہ سب کچھ اس کے لیے تجویز کرتا ہے جیسا کہ شہرستانی نے کتاب رطل نحل میں لکھا ہے۔ ابوداؤد ظاہری اور اس کے تابعین کا یہی مسلک تھا۔

ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ اوتار وہ ہیں جن میں خدا نے جنم لیا۔ اسلام میں اہل تصوف حلول کے قائل ہیں یہاں تک کہ خدا کتے بلی اور دیگر اشیا میں بھی حلول کرتا ہے۔ خود اپنے نفس میں حلول کے تو بہت سے لوگ قائل ہیں۔ جیسے منصور جو انا الحق کہتا تھا یا بایزید بسطامی کہ وہ اپنے آپ کو یزدان کہتا تھا مولانا روم کی مثنوی کا شعر ملاحظہ ہو:۔

با مریدان آں فقیرے محتشم بایزید آمد کہ یک یزدان منم

یا ایک اور صاحب اپنے آپ کو لا الہ اللہ انا کہتے تھے جیسا رومیؒ نے کہا ہے۔

گفت مستانہ عیاں آں دوفنوں لا الہ الا انا ھا فاعبدون

مولوی عبداللہ ٹونکی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ ''بعض کا یہ خیال ہے کہ پروردگار عالم کو جزئیات کا علم ہی نہیں جیسا کہ یونان کے اکثر حضرات جو فلاسفہ کے لقب سے پکارے جاتے ہیں قائل ہو گئے ہیں''۔

کسی کا یہ خیال ہے کہ پروردگار عالم جامع الکمالات اور مجمع الاوصاف تو ضرور ہے مگر اس کی صفات اس کی ذات سے الگ ہیں اور وہ اپنے ہر امر میں ان کمالات کا جو خارج از ذات ہیں محتاج ہے جیسا کہ فرقۂ اشاعرہ کا خیال ہے جیسا عیسائی حضرات خدا کے قدم وجود روح اقدس اور مسیحؑ کو بھی شریک کرتے ہیں۔ آریہ حضرات بھی صفت ازلیہ میں پروردگار عالم کے روح اور مادہ کو بھی شریک کرتے ہیں۔

## رسول اللہؐ

اکثر مذاہب نے ضرورت نبی اور رسول کو تسلیم کیا ہے یہودی نے اپنے نبی کے لیے زانی ہونا پسند کیا جیسا کہ حضرت لوطؑ کی نسبت توریت میں ذکر ہے کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں سے زنا کیا۔ حضرت داوٗدؑ کے لیے لکھا ہے کہ انہوں نے ''اوریا'' کو دھوکے سے قتل کرا کے اس کی جورو کو تصرف میں لائے۔ عیسیٰؑ کی نسبت انجیل میں ذکر ہے کہ وہ کسی تقریب شادی میں گئے اور ایک پیالہ شراب پی۔ ہندوؤں کے اوتار کرشن جی بانسری بجاتے۔ راگ گاتے تالابوں میں جا کر حسین عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے۔ مسلمان بھی ان مذاہب والوں سے پیچھے نہیں رہے۔ ضرورت رسول کو تو تسلیم کیا مگر اس کو خاطی بھی تسلیم کیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین جھوٹ بولے۔ حضرت آدمؑ نے خدا کی سخت مخالفت کر کے اپنے آپ کو مجرم بنایا۔ حضرت رسالتمآب (معاذ اللہ) شہوت پرست، زن مرید، زینب کا حسن دیکھ کر زید کو مجبود کیا کہ وہ طلاق دے اور اس کی بیوی پر قبضہ کیا۔ حضرت عائشہؓ کو کاندھے پر چڑھا کر ناچ دکھایا، باجا سنا، باجا بجوایا (مشکوٰۃ شریف) حضور کو (معاذ اللہ) سہو بھی ہو جاتا تھا چنانچہ ایک روز نماز میں بتوں کی ثنا وصفت بھولے سے کرنے لگے تب جبرائیلؑ نے روکا۔ حضرت معصوم نہ تھے اکثر گناہ ہو جاتے تھے۔ کبھی کبھی نماز بھی نہ ہوتی تھی چنانچہ ایک روز صبح کی نماز نہیں پڑھی۔

## جانشینان رسولؐ

جب رسولؐ میں ہی طہارت نفس اور عصمت کو تسلیم نہیں کیا تو اس کے

جانشینوں میں کیا تسلیم کرتے کیسا بھی کوئی شخص ہو خود رائے ہو یا پابند شرح رحمدل ہو یا سنگدل سب جانشین ہو سکتے ہیں۔

## قرآن مجید

دیگر مذاہیب کا بھی ہی دعویٰ ہے کہ ان کے پاس بھی آسمانی کتاب موجود ہے توریت انجیل ، زبور، ژند یا زند، وید ان کتابوں میں عام آدمیوں کا سا بیان ہے۔ بہت سی باتیں خلاف عقل ہیں مسلمانوں کی کتاب قرآن مجید دعوائی کرتا ہے کہ اس کا مثل لاؤ اور آج تک انسان تو انسان کوئی جن بھی اس کا ثانی نہ لا سکا یہ ہے دلیل اس کے آسمانی کتاب ہونے کی۔ اس کی آیتوں میں شفا بھی ہے اس میں ہر شے کا بیان بھی جتنے علوم اتنے مطالب، غیب کی بھی خبر دیتی ہے، جو باتیں لوگ اپنے گھروں میں خدا اور رسولؐ کے خلاف کیا کرتے تھے وہ بھی ظاہر کرتی ہے۔ اوامر و نواہی واضح ہیں متشابہ آیات اور واقعات بھی ہیں غرض کہ سب کچھ ہے لیکن مسلمان نے اس پر عمل نہ کرنے کی قسم کھائی ہے اس کتاب کے پارہ ۳ ع ۹ آل عمران کی آیت کا ترجمہ درج ذیل کرتے ہیں:۔

"وہ وہی (ذات اقدس) ہے جس نے نازل کی تم پر کتاب اس میں بعض آیتیں محکم ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور دوسری (باقی سب متشابہ ہیں) پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے پیروی کرتے ہیں اس کی جو اس کی متشابہ ہے شورش (فتنہ) ڈھونڈنے کی غرض سے اور اس کی حقیقت (صحیح مطلب) نہیں جانتا کوئی بجز اللہ اور علم میں راسخ ہیں کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے

اور نہیں نصیحت پاتے مگر صاحبانِ عقل''۔

مسلماں نے محکمات کو تو بالائے طاق رکھدیا یا ظاہری طور پر بجالاتے ہیں اور باقی سب میں اپنے دلوں کی کجی کی پیروی میں شورش برپا کرنے کے لیے نئی نئی توجیہات تفسیریں کرتے ہیں جو شخصی آرا پر مبنی ہوتی ہیں واہ رے مسلمانوں تم بھی دوسرے مذاہب والوں کی طرح اپنے خدا نبیوں اپنے رسولؐ، ان کے جانشینان اور اپنی کتاب کے ساتھ کرتے رہے ہو جو وہ اپنے نبیوں، جانشیوں اور اپنی کتاب کے ساتھ کرتے رہے ہیں۔ کیوں ان کی پیروی کرتے ہو زرا سمجھو کہ وہ لوگ ازل سے تمہارے اور تمہارے مذہب کے دشمن ہیں۔ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کے سلسلہ میں مغربی طاقتوں نے منصوبے بنائے مسلمانوں کے ذہنوں کی دھلائی کا عمل بتدیج شروع کیا۔ فکری توڑ پھوڑ ثقافتی لوٹ مار اور تہذیبی جنگ کے اخلاقی معیار بدلنا شروع کردے اور اسی کے ساتھ ساتھ حکومتوں پر ان قزاقوں نے قبضے کرنا شروع کردے ذہنی بدل دیئے۔ فلسفہ بدل دیا، لباس بدل دیا، زبان بدل دی، صوت بدلی تو سیرت بھی بدل گئی قانون بدلا، انصاف کا طریقہ بدلا، معاشرہ بدلا، تاریخ اور روزمرہ کے مسائل پر سوچ کا انداز بدلا، مذہب پر عمل کرنے کا طریقہ بدلا، مسلمانوں کو ان کے اصل مرکز سے ہٹا کر لندن، پیرس، واشنگٹن، ماسکو سے ان کے رشتہ جوڑ دیئے یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ کہیں مسلمان اپنے مرکز کی طرف رجوع ہو کر اپنے قانوں کی کتاب میں فکر و تدبیر کر کے اسلامی انقلاب نہ برپا کردیں یہ سب کچھ ہوا لیکن اللہ کی قدرت نمائی ہے کہ مسلمان برائے نام ہی سہی لیکن اسلام اسلام ضرور پکارتا رہا اور کتاب وسنت کے امین علماء دین اسلام عقیدہ وعمل فلسفہ و تجربہ کو صبر واستقامت کے

ساتھ لیے آگے بڑھتے رہے۔ دنیا کے نقشہ پر اسلام کے نام پر پاکستان کا نقشہ ابھرا تو مسلمانوں کی ہمت بڑھی مگر دشمن نے پھر ریشہ دوانیاں کیں۔

شروع میں ہر مذہب نے ایک خدا کی تعلیم دی جیسا کہ حضرت داؤد ؑ، حضرت موسیٰ ؑ، حضرت عیسیٰ ؑ، وشنو وغیرہ کی تعلیم تھی۔ توحید ہر مذہب کی جڑ ہے لیکن تاریخ اور مختلف معاشرتی، معاشی اور عقیدتی نظاموں کے اثرات نے توحید کو بدل کر رکھ دیا مشترک معاشرہ کو مختلف نسلوں طبقوں، قوموں، قبیلوں میں تقسیم کر دیا طاقتور اور کمزور کی جنگ شروع ہو گئی جس کے نتیجے میں اولا آدمؑ دو طبقوں میں بٹ گئی ایک حاکم اور دوسرا محکوم ملک بن گئے حکومتیں قائم ہو گئیں قوانین بننے لگے حکمران طبقہ نے ظاہرہ یا خفیہ طور پر ایمان یا کفر، آمریت یا جمہوریت، غلامی یا آزادی عقیدہ یا سائنس، روحانیت یا دانشوری، فلاسفی یا صوفی ازم خوشی یا تکلیف، مہذب یا وحشی، رجعت یا ترقی تصورات یا مادیت عیسایت یا اسلام ان سب کو استعمال کیا اور اپنی حکومتوں کو مستحکم کرتا رہا محکوم طبقہ ظلم، ناانصافی، بھوک اور محرومی میں مبتلا ہو گیا دنیاوی خداؤں کا زور بڑھتا گیا محکوم طبقہ اپنے خالق کو پکارتا رہا اور جب کبھی کوئی پیغمبر محکوم طبقہ کی حمایت کرتا اور عوام کو متحد ہونے کے لیے کہتا اور انصاف کے لیے آواز بلند کرتا یا معاشرتی برائیوں کے خلاف زبان کھولتا تو حکمران طاقتیں اس کو قتل کرا دیتیں اور پھر وہی قاتل کچھ دنوں اس قتل پر آنسو بہاتے اور اس کے مشن کے وارث بن کر اس مشن کو ختم کر دیتے اور اگر اس جنگ میں پیغمبر کامیاب ہو جاتے تر حاکم طبقہ اپنے چہروں پر وقتی نقاب ڈال کر ہمنوائی کر لیتا اور اسی کی کوشش کرتا کہ اس کی کتاب اور تلوار اس کے ہاتھ آ جائے پھر اس کتاب کی ایسی ایسی توضیحات بیان کرتا جس سے عوام گمراہ ہو اور بحث ومباحثہ میں

گرفتار رہیں اوران کی حاکمیت کو منجانب اللہ تصور کرتے ہوئے ان کے خلاف نہ ہو سکیں اللہ کی حاکمیت کا خیال بھی دل میں نہ لاسکیں جو تلوار ان کے ہاتھ میں ہے اس کا خوف ان کے پیش نظر رہے تاکہ جو وہ چاہیں وہ عوام کریں۔ عوام فرقوں، گروہوں اور جماعتوں میں منقسم رہیں اور اسلام سے وابستگی اور اسے اپنی زندگی پر بالا دستی دینے کے لیے محتاج رہے اوراس کے رہنما نظام کو نہ سمجھ سکے۔ آج بھی مسلمان قوم اسی کشمکش سے دوچار ہے اوراپنوں کی نادانی اور دشمنوں کی چالاکی اسے اس طرف آنے نہیں دیتی ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی ذہن، اسلامی انقلاب، اسلامی دشمن نظریات تہذیب وتمدن اور اسلام جیسے موضوعات سے مسلمانوں کو روشناس کرایا جائے۔ سرمایہ داری، اشتراکیت اور دوسرے نظاموں اور فلسفوں کا جائزہ اور اسلام کے زندہ اور قابل عمل ہونے کا دعویٰ، مغرب کے جدید ترین معاشرتی اور سیاسی نظریات کا تعارف اور ان پر تنقید کرنے کا عمل جاری رکھا جائے اور یہ بتایا جائے کہ قرآن مجید ہماری مشکلات کا حل ہے جس سے مسلمانوں کا انحطاط دور کیا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کو اس سے آگاہ کرنا چاہیے کہ دشمن کے مقابلے مین اسلامی فلسفہ حیات ہی ایک حقیقت ہے جو انسان کو پیش آنے والی مشکلات میں متوازن اور معتدل حل دیتا ہے۔

کسی قوم میں انقلاب لانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس قوم کے پاس ایک مرکز ہو جس میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ انقلاب کے مقاصد کا تعین کرے اور اس کے حدود بنا کر مثالی کردار پیش کرے اس کا زندگی سے رابطہ استوار کرے جب قوم میں یہ چیز پیدا ہو جائے تب وہ اپنے نقطہ آغاز کو صحیح طور پر سمجھ کر اور بھروسہ کر کے حقیقی انقلاب کے لیے تیار ہوئی قرآن مجید کا رہنما اصول بھی یہی ہے کہ اللہ کسی قوم کی

حالت میں اس وقت تک انقلاب نہیں لاتا جب تک کہ وہ قوم اپنے اندرونی نظام کو نہیں بدلتی۔ مسلمان قوم کے پاس نقطہ آغاز اور مرکز موجود ہے اور وہ عظیم و مثالی دین اسلام ہے۔ اُمت اسلامیہ اس مرکز پر یقین کامل بھی رکھتی ہے اور دین عقیدہ کے لحاظ سے اس کو مقدس بھی مانتی ہے لیکن اکثریت کے نقطہ نظر سے لوگوں کا ایمان کمزور ہے اور بہت سے لوگوں میں یہ ایمان چند چیزوں میں محدود ہے مسلمان قوم اسلامی مرکز پر مجموعی اعتماد تو رکھتی ہے لیکن مجموعی فہم و ادراک سے خالی ہے بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ قوم ایک مرکز سے وابستہ بھی ہے ایمان بھی رکھتی ہے محبت بھی ہے پھر بھی اس کو نہیں سمجھتی اور اس کے حقائق اور احکام اور اس کے مفہوم سے نابلد ہے جن حقائق اور احکام کو صرف چند ہستیاں ہی سمجھنے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ ایسا کیوں ہوا اس لیے مسلمان قوم اسلام کے تاریخی دشمن اور صلیبی طاقتوں کے خفیہ اور علانیہ حربوں کا نشانہ بنی رہی جس کی خوفناک سازشیں اُمت اسلامیہ اور اسلام کی روح کے خلاف سیلاب کی طرح بڑھیں اور امت اور مرکز میں فاصلہ پیدا کر دیا اور یہ طاقتیں مرکز سے قوم کا ایمان اعتقاد اور فہم و ادراک ختم کرنا چاہتی تھیں لیکن چونکہ اسلام پر قوم کا اعتقاد دشمن کی سازشوں سے زیادہ مظبوط تھا اس لیے اس کو تو نقصان نہ پہنچا سکیں البتہ مرکز کا علم اور حقائق و مفاہیم ضرور کمزور ہو گئے اور دشمن کی تعلیمات کے بادل چھا گئے اور مسلمان قوم کو ان کی ریشہ دوانیوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ اپنا کھویا ہو وقار پا سکے۔

اسلام کا نظام ہر دوسرے نظام سے زیادہ کامل، جامع، کامیاب اور دوامی ہے وہ اپنے خاص مزاج کی بنیاد پر خود اپنے پیغام سے مدد حاصل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت تحریکیں اسلام کے اصول چراتی رہتی ہیں کسی تحریک یا نظام کو چلانے کے

لیے کچھ قوت بخش جزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان میں سب سے اہم عقیدہ ہے جتنا عقیدہ تحریک چلانے والے مستحکم ہوگا، اتنا گہرا اثر ہوگا۔ مسلمانوں کے دلوں میں یہ نقش خود بخود ابھرتا ہے یہ ذاتی کوشش سے نہیں ہوتا بلکہ یہ دین کی فطرت ہے جو قلب دماغ پر چھا جاتی ہے دوسری چیز امید ہے یہ وہ کرن ہے جس سے کوئی تحریک یا نظام بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ اسلام اگرچہ ماحول اور حالات سے پیدا ہونے والی امیدوں پر بھروسہ ضرور کرنا ہے لیکن اس سے زیادہ اس کی روح میں بھی آرزو اور تمنا موجود ہے۔ اسلام کا وہ پیشہ و دستہ جس نے اسلام کی راہ میں مکہ کی تکلیفات اس وقت برداشت کیں جب وہ نومولود تھا تمام بڑی طاقتیں اسے مٹانے پر کمربستہ تھیں مگر اسلام کا ہراول دستہ اس اُمید میں جھوم رہا تھا کہ ظلم کا تختہ الٹ دیگا کسریٰ کا ملک کسریٰ سے اور قیصر کا ملک قیصر سے چھین لیں گے یہی وہ طاقتور امید تھی جس سے مسلمان قوم نے حکومتیں چھین لیں اور مشکلات کو کچھ بھی نہ سمجھا۔ قرآن مجید کی آیتیں اور حدیث کی عبادتیں بشارت دے رہی ہیں کہ اسلام کی بنیاد پر مضبوط قدم اٹھاتا اور خلوص نیت ہو تو نصرت و امدار کا وعدہ موجود ہے تیسری چیز ذاتی قوت دفاع ہے جس کا زندگی اور مقابلہ میں بڑا دخل ہے اسلام انا اور مثالیت دونوں کو ایک ساتھ مسخر کرتا ہے اور مسلمان کو مطمئن بناتا ہے۔ اسلام انانیت کو معتدل بنا کر وسائل وفاع کو ابھار کر، تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق مدافعت کے لیے مثالی کردار کا قالب دیتا ہے۔ اسلام پکار رہا ہے کہ ضرورت اس کی ہے کہ فکر و احساس و عقیدہ کو ہم آہنگ کرو فقط عقل کی سوچ نہ حرکت پیدا کرتی ہے اور نہ احساس کو ابھارتی ہے اور نہ ہی زندگی کروٹ لیتی ہے۔ یہی اسلام کی عوامی سیاست ہے عقل اور جذبے کا باہمی ربط اسلام میں صاف نمایاں ہے جس قدر مسلمان کے

احساسات مرکز سے قریب ہوں گے اسی قدر نفسیاتی شخصیت بلند ہوگی اور اسی قدر اسلامی رنگ غالب ہوگا اسلام کی عوامی سیاست یہ ہے کہ قوم میں پھیلے ہوئے ان جذبات سے فائدہ اٹھایا جائے جو اسلامی شعور سے ہم آہنگ ہوں تا کہ قدم قدم پر پھیلے ہوئے کفر کے مورچوں کی طرف انہیں بڑھایا جا سکے۔

مغرب کی یہ تعبیر کہ وجود روح اور روحانیات پر منحصر ہے غلط ہے اسلام روحانی اور مادی دونوں حقیقتوں کو تسلیم کرتا ہے اور دونوں کے ربط کا قائل ہے اور ربط کا سبب اللہ تعالیٰ ہے۔ مغربی تہذیب اپنے افکار وتصورات اور اپنے سماجی ڈھانچوں میں ایک فکری قانون پر بھروسہ کرتی ہے جس کا نام جمہوریت ہے انسان زندگی کائنات اور معاشرے میں مغرب کے ان تصورات وافکار کے گرد چکر لگاتا ہے یہ کوئی مضبوط رشتہ نہیں ۔ کیمونسٹ تہذیب ہر میدان میں سرمایا دارانہ نظام سے ٹکراتی ہے کیونکہ کائنات اور زندگی کی معاشرہ اور تاریخ کے بارے میں اس کا ایک خاص مادی نظریہ ہے۔ جب ہم اسلام کے علاوہ دوسرے افکار بالخصوص مغربی افکار کی چھان بین کریں تو محتاط طریقہ اور گہری نظر سے کریں تا کہ ہم یہ معلوم کرسکیں کہ ان کے افکار ان پیام سے کیسا رشتہ ہے اور اسلام کا یہ درمیانی موقف ہے یعنی فکر اور فکری مطالعہ۔ وحدت اسلام کے عظیم شعاروں میں اسے ایک شعار ہے جسے اسلام بار بار یاد دلاتا ہے سرمایہ دارانہ نظام معاشرت میں معاشرتی وحدت دکھائی دیتی ہے لیکن اس حد تک جب تک شخصی ، جماعتی ،طبقاتی مفادات ایک ہوں جہاں ان میں سے کسی کو ٹھیس لگی۔ اختلاف پڑ گیا اور وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے مارکسی معاشرے میں پوری سوسائٹی ایک دکھائی دیتی ہے جو دور سے نظر آنے والی اکائی ہے اس میں ہر فرد کی قیمت کا انکا

اور یہ وحدت اختیار وخوشی کے بجائے جبر پر قائم ہے تو جب بھی احساس بیدار ہوگا وحدت زوال پذیر ہو جائے گی۔ اسلامی وحدت میں اللہ نے اپنے بندوں کو پابند کیا ہے وحدت کسی منافع کی بنیاد یا کسی کو نیچا دکھانے کی خاطر نہیں۔ یہ دلوں سے ابھرتی ہے اور معاشرتی ڈھانچے میں پھیل کر عادلانہ مقام تک مسلمان کو لے جاتی ہے لیکن مسلمانوں کی یہ ظاہری وحدت اس وقت دگرگوں ہوگئی جب وہ اسلام سے دور ہوئے اور ان کے دل و دماغ پر دوسرے ازم چھا گئے اسی لئے آج مسلمان کا وجود دنیا کے دامن پر ایک داغ بنا ہوا ہے اور اسلام دشمن عناصر اپنی خفیہ اور علانیہ سازشوں سے مسلمان کو اس کے مرکز سے دور رکھے ہوئے ہیں تا کہ وہ ان کا محتاج رہے اور اس کا وجود ہی منہدم ہو جائے امت مسلمہ کا وجود وحدت عقیدہ اور وحدت ایمان کی وجہ سے تمام قوموں میں منفرد ہے۔ جب استبدادیت دنیا پر چھائی ہوئی تھی اقدار یا مال ضمیریں مردہ انسانی معاشرہ تباہ ہو چکا تھا تو اسلام حریت کا پرچم، علم تمدن اور خوشحالی کا پیغام لے کر بلند ہوا اور ایک مثالی کامل شخصیت وحدت عقیدہ اور وحدت ایمانی سے سرشار انسانیت کو ظلم وجور کے شکنجوں سے آزاد کرا کے امن و راحت کی دنیا میں بسانے کا وعدہ کرتی ہے اور مخالف طاقتوں کے دباؤ تھے، باوجود اسلام کا پیغام پھیلایا مگر آج کا مسلمان غلط اور گمراہ کن پروپگنڈے سے مرغوب ہے اس کی روح اس کی عقل مغرب کی غلام بن چکی ہے اور اس کی زندگی کا رشتہ اسلام سے ٹوٹ چکا ہے جو پھر بھی جڑ سکتا ہے صرف دوسرے ازموں کی نفی اور اپنے اوپر اسلام کو طاری کرتا ہے۔

اسلام عالمی دین ہے کسی خاص قوم کا دین نہیں وہ وطن میں مقید نہیں بشریت کے لیے آخری دین ہے یہ کسی قانون ساز جماعت کا مرتب کردہ نظام نہیں۔ محدود

امکانات روایات، خوش حالی یا تباہ حالی، دشمن اور دوستی کے جذبات کی محکوم قوم کا بنایا ہو نظام نہیں۔ اسلام زمان و مکان میں محدود وضعی قانون ہیں۔ یہ آسمانی نظام ہے جو اللہ کی وحی سے وجود میں آیا ہے اور اکمل ہے۔ اپنے عہد یا بعد کے ادیان و عقائد میں منفرد و یکتا دین ہے جو تمام انسانوں کی ضرورت کی کفالت، زندگی کو قرار، استواری تعلقات کو کمال تک پہنچنے کی راہ دیتا ہے گمشدہ انسانی اعزاز کو بحال کرتا ہے۔ عیسائیت عالمی دین ہونے کی مدعی ہے اس کی کتاب مقدس کہتی ہے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ سب کتے ہیں دنیا میں کبھی انسانیت آئی ہی نہیں۔ مارکزم کے ماننے والے اسے عالمی کہتے ہیں۔ اس کا تعلق صرف مادے سے ہے اس نے عظمت کے سرچشمے اور روحانی پہلو۔ انسانیت کے نفر دنقطہ امتیاز سے انسان کو جدا کر دیا چونکہ یہ فکری نظام انسانی نہیں اس لیے عالمی مین کیوں کہ عالمی نظام کی بنیادی شرط انسان ماننا ہے۔ اسلام عالمی تحریک اس وقت تک باقی رہے گا جب تک اللہ، زمین اور تمام اہل زمین کا اکیلا وارث نہ ہو اور قیامت آجائے حقیقی اسلام مآخذ قرآن اور ذات حضرت اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور قرآن اور اہل بیت رسول آپس میں متحد ہیں ان میں جدائی نہیں ہے پس ان سے تمسک دلیل اسلام نہ کر مغرب کے منحرف شدہ اسلام کا نام اسلام ہے۔

پرودگار عالم مسلمانوں کو ازلی دشمنوں کو سمجھنے اور متحد ہو کر ان کے مقابلہ کی توفیق عطا فرما۔ آمین

## اسلام میں دہشت گردی کی ممانعت اور مذمت

ہمارے ائمہ معصومین علیھم السلام اور اُن کے پیروکاروں نے دہشت گردی

کی سخت مذمت کی ہے اور اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ وہ لوگ جو اسلام کے اصولوں سے ناواقف ہوتے ہیں وہ دہشت گردی اپنے مفاد کی خاطر اختیار کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے حقوق اور مال و دولت پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ ظالم اور ستمگر مسلمان بادشاہوں اور حکمرانوں نے اپنی حکومت کی بقا کے لیے ظلم و ستم ڈھائے یہ اُن کا انفرادی فعل ہوتا تھا اور اس کا تعلق کسی گروہ یا مکتب سے نہیں ہوتا تھا۔ فرمودات ائمہ معصومین علیھم السلام اور فرامین قرانی میں اس عمل کو ممنوع اور مذموم قرار دیا گیا ہے۔

اسلام وہ واحد نقطہ ہے جس پر ہر مسلمان کا ہر زاویہ مرکوز ہے۔ دشمنان اسلام کا پہلا اور اہم ہدف یہی اسلامی تشخص ہوتا ہے اس حوالہ سے ہمیں صرف ہندوستان ہی کا سامنا نہیں ہے بلکہ امریکہ اور اس کے حواری یورپی مما لک کی نگاہوں میں بھی ہمارا ایمان، عقیدہ اور اسلامی تشخص کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے وہ ہمہ وقت اس بنیادی قوت پر ضرب لگانے میں مصروف رہتے ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان گروہی مذہبی اور لسانی سیاسی اور ثقافتی اختلافات کو اس قدر ہوا دی جاتی ہے کہ ہم ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائیں اور اس طرح ہماری وہ قوت جو ہماری اساس ہے زائل ہو جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہمارے ملک پاکستان میں ایسے اسلامی مدرسوں کا جال پھیلا دیا گیا ہے جہاں کم تعلیم یافتہ قدامت پسند مذہبی جنونیوں کو دوسرے اسلامی عقائد کے لوگوں کے خلاف اشتعال انگیزی کی تربیت دی جاتی ہے۔ یہ نوجوان طلبا مکمل طور پر اپنے اساتذہ کے زیر اثر ہوتے ہیں جو انھیں گمراہ کرنے اور اسلام کے نام پر قتل و غارت گری کرنے کے سبق پڑھاتے ہیں اور اس طرح اتحاد بین المسلمین کا بنیادی تصور ملیا میٹ ہو جاتا ہے ان کا یہ شیطانی فعل گلیوں اور بازاروں میں معصوم

انسانوں کا خون بہانے کا موجب ہوتا ہے یہ بڑھتا ہوا طوفان قومی سالمیت کے لیے زہر قاتل ہے۔ بدقسمتی تو یہ ہے کہ مذہبی جنونیوں کی ایک بڑی تعداد دشمن اسلام کی چال کا شکار ہو چکی ہے اور ایک دوسرے کے عقیدے کی بنیاد پر دشمن کا پھیلایا ہوا نفرت کا یہ جال مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جا رہا ہے۔ خدا نہ کرے کہ ہم اپنی قومی سالمیت کا خود ہی گلا نہ گھونٹنے لگیں۔

یہ وہ دور ہے کہ دشمنان اسلام مسلمانوں کو غلام بنانے کی خاطر ہر حربہ استعمال کر رہے ہیں کہیں اقتصادی پابندیاں کہیں دفاعی پابندیاں لگائی جا رہی ہیں۔ مسلمانوں کو آپس میں فرقہ واریت کو ہوا دے کر لڑایا جا رہا ہے اُن کو دہشت گرد کہا جا رہا ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ ہمارے نزدیک اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کہیں مسلمان متحد اور طاقتور ہو کر اُن کے مقابل نہ آجائیں اگر ہم ان حالات پر غور کریں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ملت اسلامیہ اس زمانہ میں حالت جنگ میں ہے جب ایسی حالت ہو تو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات کے مطابق ہر مسلمان کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے دین کی حفاظت اور اپنی آزادی اور اپنے ملک کو بچانے کے لیے میدان جہاد میں اُتر آئے۔ قرآن مجید تو ایسے موقع پر جہاد ہی کو مسلمانوں کے ایمان کی صداقت کا میعار قرار دیتا ہے کہ وہ صداقت میں اپنی جان اور مال کی قربانی دینے کے لیے تیار ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس سے انحراف کرتا ہے تو وہ منافق کے زمرے میں شمار ہوگا اور اس کی دوسری عبادتیں سب ضائع ہو جائیں گی۔

قومی آزادی اسلام کے نزدیک بنیادی اہمیت رکھتی ہے جب اس کو خطرہ لاحق ہو تو اس وقت دوسری تمام چیزیں اپنی اہمیت ختم کر دیتی ہیں اور قومی آزادی کی

حفاظت لازم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنا اس پر موقوف ہے جب وہ آزاد اور خود مختار ہو کر رہیں گے تب ہی اُن میں اسلامی احکام جاری رہ سکیں گے۔

مغربی دشمنان اسلام اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں میں اتحاد نہ ہو اور قومی آزادی کا جذبہ نہ پیدا ہو۔ اس لیے انہوں نے اپنی روایات، اپنی تہذیب، اپنی زبان اور یہ بتا کر کہ ان کی قوم دوسری اقوام سے افضل ہے۔ اُن کا مذہب سب سے اچھا ہے۔ مسلمان کل دنیا میں ان کی پیروی کرنے لگے اُن کا لباس پہن کر اُن کی زبان بول کر فخر محسوس کرنے لگے بچوں کو انگریزی تعلیم دلا کر اُن کو انگریزی الفاظ سکھا کر سر بلندی کا اظہار کرنے لگے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کوا اچلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا اور دشمن اسلام اپنی چال میں کامیاب ہو گیا مسلمان اپنے دین سے دور ہونے لگا۔ لیکن یہ دین تو وہ دین ہے جس کا محافظ خود پروردگار عالم ہے۔ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دشمنان اسلام کا یہ عمل دہشت گردی نہیں ہے؟ دہشت گردی صرف قتل و غارتگری ہی نہیں بلکہ ہر وہ فعل جو امن عالم کے منافی ہو وہ بھی دہشت گردی کہلایا جائے گا۔ خواہ اپنی قوم کو دوسری اقوام سے برتر بتاتا ہو خواہ اپنے مذہب کو افضل جتا کر دوسرے مذاہب کی تضحیک کرنا ہو؟ جو دہشت گردی کا باعث ہے۔ تبلیغ دین و مذہب اور چیز ہے جس کے لیے دوسرے مذاہب کو بُرا نہیں کہا جاتا۔ بلکہ وہ اصول بیان کیے جاتے ہیں جن سے اس کی افضلیت ظاہر ہو وہ کردار بیان کیے جاتے ہیں جن کے وہ دین و مذہب لانے والے حامل تھے اور ہیں۔

## معاشرہ ودہشت گردی

اب ہم دہشت گردی کو معاشرہ کے میدان میں دیکھتے ہیں۔اس سے قبل ہم معاشرہ کی مختصراً تشکیل پر غور کرتے ہیں۔معاشرہ ان قوانین، اصولوں اور روایات پر تشکیل پاتا ہے جو اجتماعی طور پر ایک گروہ یا قبیلہ اپنے درمیان واضح کرتا ہے تاکہ اس کا تشخص برقرار رہے ہر انسان اچھائی اور بُرائی ،نیکی اور بدی کو جانتا ہے اور سمجھتا ہے یہ سمجھ اس کے حواس خمسہ میں ابتدا سے ہوتی ہے۔جس کی مثال ایک بچے کی لی جاتی ہے جس نے ابھی کچھ کچھ بولنا سیکھا ہے اگر اس سے پوچھا جائے کہ تم اچھے یا بُرے ہو تو وہ ایک دم کہے گا اچھا۔کیونکہ اچھائی اس کی فطرت میں ہے اور اسی لیے معصوم کہا جاتا ہے۔رفتہ رفتہ اچھائی اور بُرائی کی اس کو تمیز ہونے لگتی ہے۔اسی طرح معاشرہ بھی تشکیل پاتا ہے۔معاشرہ افراد کی اجتماعی شکل کو کہا جاتا ہے جو اپنے مذہب ،قوانین، اصول اور روایات کو اپنے اسلاف اور علم سے حاصل کرتا ہے۔ابتدا ہی سے انسان کیا بلکہ ہر مخلوق اپنے ہم جنس کے ساتھ رہتی ہے یہ اس کی فطرت میں داخل ہے۔کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔کوئی معاشرہ برائی پر وجود میں نہیں آتا بلکہ اچھائی پر تشکیل پانے کے بعد اس میں برائیاں پیدا ہونے لگتی ہیں جو دہشتگردی کا سبب بن جاتی ہیں۔یہ بُرائیاں خود غرضی اور ذاتی مفاد کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

## مذہب کی بنیاد پر معاشرہ کی تشکیل

اب ہم مذہب کی بنیاد پر معاشرہ کی تشکیل پر غور کرتے ہیں۔معاشرہ تخلیق آدم کے وقت سے وجود میں آیا اور اس میں بُرائی بھی اسی وقت سے پیدا ہوئی۔

پروردگار عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلق کرنے کے بعد فرشتوں کو حکم دیا کہ سجدہ کروشیطان جو قوم جن سے تھا اس نے حکم عدولی کی جس کو نکال دیا گیا۔ اس نے کہا کہ میں انسان کو بہکاؤں گا اور بُرائی کی ابتدائی ہوئی جو قیامت تک رہے گی۔

تاریخ اسلام میں عرب کی تاریخ اُن کے ماضی و حال کی کیفیت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ بعثت رسولؐ سے قبل عربوں کا وہ دور زمانہ جاہلیت کہا جاتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ عرب کے لوگ تہذیب وتمدن سے ناآشنا تھے اور وحشت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ عرب کی جاہلیت کا زمانہ علم وتمدن وتہذیب کے بعد والے تنزل کا دور تھا جس میں عقل کے چراغ بجھ چکے تھے اور برائیوں میں پڑ چکے تھے۔ جن کو وہ اچھے تصورات کا لباس پہنا کر پیش کرتے تھے۔ برائیوں پر فخر کرتے تھے۔ خونریزی امن کے نام پر ہوتی تھی۔ بداخلاقی تہذیب کے نام بیان کی جاتی تھی۔ بت پرستی کو اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کا سبب سمجھتے تھے جس کا فلسفہ بیان کیا جاتا تھا۔ شراب نوشی اور قمار بازی کو فیاضی کی دلیل سمجھتے تھے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کو غیرت اور شرافت کے احساس کا نتیجہ قرار دیتے تھے۔ دوسرے پر ظلم کو بہادری اور حلم اور معافی کو بزدلی کہتے تھے۔ احساس برتری کے مرتکب ہوتے تھے۔ کسی بڑے آدمی کے قتل ہو جانے پر صرف قاتل ہی نہیں بلکہ قبیلہ کے سینکڑوں بے گناہ لوگوں کو قتل کر دیا جاتا تھا اس کے برعکس اگر بڑے آدمی کے ہاتھوں کوئی چھوٹا آدمی قتل ہوتا تو اس کا خون قصاص کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا۔

مذہب میں وہ انتہائی پست تھے۔ ایک بڑی جماعت بت پرست تھی۔ خانہ کعبہ بت خانہ بن گیا تھا۔ عرب میں کچھ ستارہ پرست کچھ یہودی مجوس اور نصرانی

تھے۔ یہ سب لوگ مشرک تھے اور چند آل ابراہیمؑ میں سے تھے جو توحید کو سینوں سے لگائے ہوئے تھے۔ مگران کی کوئی آواز نہ تھی۔ جو حالت عرب کی تھی وہی تقریباً تمام دنیا کی تھی۔ دہشت گردی اور بربریت کا دور دورہ تھا اس وقت دو سلطنتیں تھیں ایک سلطنت روم جس کے تحت عرب اور شام کا علاقہ تھا دوسری سلطنت فارس جس کے قبضہ میں عراق آ گیا تھا۔ رومی سلطنت کا مذہب عیسائی تھا اور ایران زردشتی مذہب کا پیرو ہو کر آگ کی پرستش کرتا تھا۔ تمدنی حیثیت سے دونوں جگہ مادیت مسلط تھی اور عیش وعشرت کا بازار گرم تھا۔ دونوں ملک خود غرضی اور ستم رانی کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں یورپ کی کوئی قابل ذکر حیثیت ہی نہ تھی بلکہ وہ وحشت کے دور سے گزر رہا تھا۔ ہندوستان اپنے ابتدائی رہبروں کی تعلیم کو فراموش کر کے مشرکانہ اور کافرانہ ظلمتوں میں گرفتار تھا اور ذات پات اور اونچ نیچ کی تفریق میں مبتلا ہو چکا تھا۔ عیسائی مذہب تین مسلکوں میں تقسیم ہو گیا تھا رومن کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور پریسبی ٹیرین۔ اس طرح اسلام بھی کئی مسلکوں میں بکھر گیا تھا۔ دیگر مذاہب کا بھی یہ حال تھا۔ ان مسلکوں اور فرقوں میں بنٹے ہوئے انسانوں کے درمیان اختلاف مذہب اور تفرقوں کی بنا پر فساد ہوتے تھے جو امن عامہ اور معاشرہ میں دہشت گردی کا باعث ہوتے تھے۔ حالانکہ کوئی مذہب، مسلک اور فرقہ جو مذہب کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے وہ امن کو تباہ کرنے دہشت گردی پھیلانے اور معاشرہ کو برباد کرنے کی مخالفت اور مذمت کرتا ہے لیکن خود غرض اور مفاد پرست عناصر اس دہشت گردی کا باعث ہوتے ہیں۔

اب ہم قدیم معاشرے کو ایک اور زاویہ سے دیکھتے ہیں۔ قدیم معاشرہ میں ایک خاندان اپنے افراد پر مشتمل ہوتا تھا جس کا سربراہ خاندان کا بزرگ شخص ہوتا تھا۔

اگر خاندان میں کوئی تنازعہ ہوتا تو خاندان کے بزرگ شخص کا فیصلہ قبول کیا جاتا تھا۔ خاندان کے کل افراد ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے۔ ہر فرد کی پسند کا خیال رکھا جاتا۔ ایک قدیم خاندان کے تمام اصول اور روایات اب بھی دیہات اور قبائل میں نظر آئیں گے۔ اگر دو خاندانوں کے بزرگ افراد پر مشتمل کمیٹی اس کا فیصلہ کرتی جو دونوں خاندانوں کو قابل قبول ہوتا تھا۔ اگر خاندان کا کوئی فرد بُرے افعال میں مبتلا ہوجاتا تھا تو خاندان کے افراد یا بزرگ اس کی اصلاح کی کوشش کرتے اور اگر وہ پھر بھی باز نہ آتا تو اس کو برادری سے خارج کردیا جاتا جس کو کہا جاتا تھا کہ اس کا حقہ پانی بند کردیا گیا ہے۔ قدیم معاشرہ میں عورتیں پردہ کی پابند تھیں اور اپنے گھر کے کاموں میں مصروف رہتی تھیں اور مرد اپنی روزی کمانے میں مصروف رہتے تھے۔ یہ تھی مختصر تصویر قدیم معاشرہ کی۔

## جدید معاشرہ

اب ہم جدید معاشرہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔ جب سے مغرب کے لوگوں اور اُن کی تہذیب نے مسلمان ملکوں میں اپنے قدم رکھے تو قدیم معاشرہ زوال پذیر ہونے لگا۔ قدیم معاشرہ جس میں اسلام کے اصول اور روایات کی جھلک نظر آتی ہے وہ رفتہ رفتہ جدید معاشرہ کی نظر ہوتا جارہا ہے۔ گھر میں بیٹھنے اور کام کرنے والی عورت نے پردہ کو خیر باد کردیا اب وہ اپنے شوہروں کے ساتھ محفلوں کی زینت بننے لگی۔ بھڑکیلے اور چست لباس پہن کر مجلسوں، محفلوں میں محرموں اور نامحرموں سے گفتگو میں شریک ہونے لگی۔ بازاروں میں جاکر خریداری کرنے لگی۔ کس کا گھونگٹ کیسا

پردہ۔ کیسا سر پر ڈوپٹہ ایک کتر کی پٹی شانوں پر پڑ گئی۔ گھر کا کھانا پسند نہیں رہا ہوٹلوں کے کھانے پسند ہیں۔ ذائقے بدل گئے۔ مغربی تہذیب کا ذائقوں پر بھی قبضہ ہو گیا۔ مغربیت اور یہودیت نے نہ صرف ہمارے کانوں، آنکھوں اور لباس پر ہی قبضہ کر لیا بلکہ سوچ اور فکر پر بھی قبضہ کر رکھا ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ تمہاری تہذیب اسلام کے اصولوں کے مخالف ہے تو جواب آئے گا کہ میں ایسا حجاب نہیں کر سکتی جو اسلام بتاتا ہے۔ پردہ ختم ہوا، ناچ گانے کا رواج اس قدر ہو گیا کہ محفلوں میں چھوٹی لڑکیاں جنہوں نے یہ سیکھا ہے فخر کے ساتھ ناچتی اور گاتی دکھائی جاتی ہیں۔ یہ بھی دشمنان اسلام کی اسلامی اصولوں سے دور رکھنے کی ایک سازش کے تحت رواج دیا گیا ہے اس جدید زمانے میں جس کو دیکھو پریشان نظر آتا ہے کسی کو مالی پریشانی ہے۔ کسی کو یہ پریشانی ہے کہ اس کی لڑکیوں کی عمریں ڈھلی جا رہی ہیں بر نہیں ملتا۔ ہر شخص اس جدید دور میں کسی نہ کسی اُلجھن اور پریشانی میں گرفتار ہے۔ خودکشیاں ہو رہی ہیں۔ چوریاں، ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں۔ تخریب کاری ہو رہی ہے جس کا نتیجہ فساد امن وسکون برباد معاشرہ بگڑ گیا، دہشت گردی پھیل گئی۔

اب ہم جدید معاشرہ کو ایک اور رخ سے دیکھتے ہیں کہ اس سائنسی ارتقا کی وجہ سے دنیا میں لوگ ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو گئے ہیں کہ منٹوں سیکنڈوں میں دوسرے ملک میں بیٹھے ہوئے لوگ ایک دوسرے کے حالت معلوم کر لیتے ہیں ہر ایک کو ہر ایک کی خبر ہے لیکن اس جدید دور میں بھائی کو بھائی کی خبر نہیں۔ اولاد کو والدین کی خبر نہیں چونکہ بیٹا شادی کے بعد اپنے اہل وعیال میں مصروف والدین کو پوچھنے کی فرصت نہیں کہ وہ بیمار ہیں یا بھوکے ہیں کہ تنہا نہیں۔ ایک شہر میں رہنے کے باوجود بھی

اگر فرصت ملی تو خیریت دریافت کرنے چلے گئے لیکن قدیم زمانہ میں اولاد کو والدین کی فکر ہوتی تھی اور یہ ضرور معلوم کرنے روزانہ ماں باپ کی خدمت میں حاضر ہوتے بھائی بھائی کے پاس جاتا بہنوں کے پاس جاتا اور رشتہ کو برقرار رکھا جاتا تھا اور ذمہ داریوں کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اب تو بڑے شہروں میں بوڑھوں کیلئے نرسنگ ہوم بھی کھل گئے ہیں جہاں بوڑھے والدین کو داخل کرنے کا رواج بھی شروع ہو گیا ہے۔ اولاد ان بوڑھے والدین کو یہ کہہ کر کہ وہاں ڈاکٹر ہیں خدمت کے لیے نرسیں ہیں آرام سے ان کی زندگی گزرے گی داخل کرا دیتے ہیں۔ ایسی اولاد یہ نہیں سمجھتی کہ ان کو سکون ان کو اپنے بیٹے، بیٹی، پوتے، پوتی، نواسے اور نواسی اور اپنی لڑکے اور لڑکیوں سے ملتا ہے وہ نرسنگ ہوم میں کہاں ملے گا۔ جدید معاشرے میں والدین سے اولاد دور بھائی سے بھائی بہن دور کوئی رشتہ رشتہ نہ رہا سب قدیم دور کے رشتے جدید دور میں دور ہوتے ہوتے اتنے دور ہو گئے کہ ختم ہونے پر پہنچ جاتے ہیں۔ جدید زمانہ میں نفسا نفسی کا عالم ہے کوئی قدیم رشتہ باقی نہیں رہا نئے نئے رشتے نکل آئے یہ ہماری بھابھی کے، ممانی کے اور دیورانی کے چچازاد کے چچازاد ہیں۔ بھئی گھر والے ہیں ان سے پردہ کیسا! محرم اور نامحرم کی تمیز باقی نہ رہی۔ لوگوں نے یہ کہہ کر کہ کہاں کا بھائی کہاں کا بھتیجا ہمارے پاس اپنے لیے وقت نہیں ہے ان کے لیے کہاں سے وقت لائیں؟ نیا زمانہ ہے آپ تو قدامت پسند ہیں یہ کہہ کر اپنی جان چھڑالی۔ تربیت اولاد کے لیے بھی والدین کے پاس وقت نہیں۔ مالی پریشانیوں کی وجہ سے دونوں ملازمتیں کرتے ہیں اولاد ملازمہ یا دایہ کے سپرد ہوتی ہے۔ ان کی تفریح کے لیے آلات موسیقی، ٹی وی اور لہو و لعب کا سامان ہوتا ہے جن شیطانی کاموں میں وہ والدین کی عدم موجودگی میں

مصروف رہتے ہیں۔ جب والدین آتے ہیں تو بچے سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور جب بچے بیدار ہوتے ہیں تو والدین روزی کمانے چلے جاتے ہیں۔ شاید چھٹی والے دن والدین اولاد کو ملتے ہیں تو کہیں گھومنے پھرنے فلاں پارک یا پیزا وغیرہ کھانے چلے جاتے ہیں۔ والدین کے پاس وقت ہی نہیں کہ اپنی اولاد کی تربیت کرسکیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچوں کا جسم ہمارے پاس ہوتا ہے اور ان ایمان شیطان کے پاس نہ وہ نماز کی طرف آتے ہیں نہ واجبات کی طرف، بچیوں کو حجاب کا خیال بھی غائب، بے حیائی اور بے حجابی اگر دیکھنا ہو تو ذرا کسی شادی کی تقریب میں شرکت کیجیے تو وہاں آپ کو دونوں چیزیں بہت زیادہ نظر آئیں گی۔ کہاں کا پردہ کیسی حیا دونوں غائب، شادی نام ہے بے حیائی کا، اسلام میں سب سے پہلے جو چیز حرام ہوئی ہے وہ بے حیائی ہے جس کا حکم شرک کے ساتھ آیا ہے کہ ''خبردار اس کے قریب نہ جانا'' اسلام ظلم کے ساتھ رہ سکتا ہے ایک پکّے مسلمان پر ظلم کرتے رہو اور کہو کہ اسلام چھوڑ دے وہ مر جائے گا لیکن اسلام کو نہیں چھوڑے گا لیکن اسلام بے حیائی کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب اندرا گاندھی کو یہ پریشانی ہوئی کہ ہندوستان میں اسلام کا خاتمہ کس طرح کیا جائے تو اپنے میں نے باپ کے دوست درگا پرشادی کے تھر اس کو کہا کہ پوری اسلامی تاریخ کو دیکھ کر بتاؤ کہ دنیا کا کوئی ایسا علاقہ ہے کہ جہاں اسلام آیا ہو اور مٹ گیا ہو۔ کیونکہ اب ہندوستان اور پاکستان سے اسلام کو ختم کرنا ہے اس نے تحقیق کی اور بتایا کہ سپین کا ایک علاقہ ہے جہاں مسلمان آئے حکومت قائم کی۔ اسلام پھیلایا یہ حکومت اسلامی کئی سو سال چلی جس نے تمام یورپ کو ہلا کر رکھ دیا اور ختم ہوئے تو ایسے کہ مسلمان نہ ملے۔ وہ رپورٹ لے کر آیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانوں

پر جتنے ظلم کئے گئے ان کی طاقت بڑھتی گئی لیکن جب سپین کے عیسائی حکمرانوں نے مسلمانوں میں فحاشی اور بے حیائی پھیلا دی وہ روحانی طور پر اتنے کمزور ہو گئے کہ مٹ گئے۔ کیونکہ مسلمان کوئی بھی جنگ اپنی طاقت اور اسلحہ کے زور پر نہیں جیتا بلکہ اپنی روحانی طاقت سے جیتا ہے۔ فحاشی اور بے حیائی روحانی طاقت کو ختم کر دیتی ہے۔ ہندوستان نے بھی یہ منصوبہ بنایا اور اس کو تکمیل تک پہنچایا اور پاکستان میں اتنی فحاشی اور بے حیائی پھیلا دی تا کہ جنگ کی ضرورت نہ رہے اور خود ہی ختم ہو جائیں دجال کا بھی یہی سب سے بڑا ہتھیار ہوگا۔ بے پردہ عورتیں اور گانے بجانے والے مرد لائے گا بے حیائی اور فحاشی خواہ پوشیدہ ہو یا ظاہر ہو وہ مسلمان کی روحانی طاقت کو ختم کر دیتی ہے۔ نماز گئی، روزہ گیا شراب آگئی بے پردگی آگئی رنگین محفلیں آگئیں اور شیطان نے اپنا کام شروع کر دیا۔ فساد، تخریب کاری اور دہشت گردی نے جنم لیا اب ان کی حکومت ہے۔ چھپی ہوئی بے حیائی میں نیم برہنہ لباس پہن کر ایک خاتون کا مجمع عام میں جانا یا ایک پردہ کرنے والی عورت کا خاندان کے نامحرم مردوں کے سامنے بے حجاب آنا یہ خیال کر کے کہ یہ تو گھر والے ہیں بے حجابی کے زمرہ میں آتا ہے۔ عام ماحول میں انسان ایک وقت میں ایک گناہ کرتا ہے شادی کی تقریب میں انسان کئی گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے عورتوں کا بے پردہ شریک ہونا۔ شادیوں میں فضول خرچی کرنا لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں۔ اگر کم جہیز دیا گیا تو بیچاری لڑکی ہمیشہ طعنوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اور ازدواجی زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے یہ ہے جدید معاشرہ جو حرص و ہوا میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے طلاق معمول بن گئی ہے اولاد ماں باپ کی تربیت سے محروم ہو جاتی ہے شادی میں شریک مستورات بیوٹی پارلر سے پر جمال بن

کر شرکت کرتی ہیں۔ دلہن بیچاری تو گھنٹوں ان بیوٹی پارلر میں گذارتی ہے خواہ نماز قضا ہو اور کئی دن تک قضا ہوتی رہتی ہے۔ شادیوں میں حدیث کساء بھی پڑھی جاتی ہے خطبہ نکاح اور نکاح بھی پڑھا جاتا ہے۔ علماء بھی شرکت کرتے ہیں درود بھی پڑھا جاتا ہے۔ گیت بھی گائے جاتے ہیں موسیقی بھی جاری ہے بے حجاب مستورات اور مردوں کا ایک جگہ کھانا بھی ہو رہا ہے۔ گانا بجانا بھی ہو رہا ہے مرد عورتوں کی آوازیں بھی سن رہے ہیں ایسی شادیوں میں رحمت کے فرشتہ آنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن عذاب کے فرشتوں کو دیکھ کر وہ چلے جاتے ہیں۔ یہ دورنگی تقریب بعض اوقات جیب کتروں اور لفنگے لڑکوں کی تفریح گاہ بن کر باعث فساد و دہشت گردی ہو جاتی ہے اور پولیس کو بلایا جاتا ہے۔ شادی کی تقریبات میں رسومات گناہ کے حوالے سے اس قدر رواج پا گئی ہیں کہ ان سے چھٹکارا مشکل ہے۔ بڑے بڑے مذہبی اور پرہیزگار لوگ ان روایات کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں یہ کہہ کر کہ رشتہ داری اور برادری کا معاملہ ہے۔ شادی بیاہ کی زیادہ تر رسومات مسلمانوں نے ہندوؤں سے لیں۔ مسلمانوں کا نیم برہنہ لباس یورپ اور امریکہ کی تقلید سے لیا۔ یہودیت کی خاصیت قرآن مجید میں من وسلویٰ کے بیان میں ذکر ہے وہ یہ ہے کہ جو پاک و پاکیزہ اور حلال چیز ملتی ہے اسے ٹھکرا کر حرام چیز کی طرف قدم بڑھاتے ہیں یہ اللہ سے بھی مذاق کرنے سے باز نہیں آتے۔ شریعت سے مذاق حلال کو حرام بنانا اور حرام کو حلال بنانا ہے۔ رسولؐ کی زبانی پیروی کرنا ہے فقط ایک راستے کی جو رسولؐ کا ہے۔ اسلام کے اندر پیوند نہیں لگتے کہ تھوڑا سا یہودیت کو لیا، تھوڑا سا عیسائیت کو لیا، تھوڑا سا ہندو مذہب کو لیا، تھوڑا سا اپنی برادری کی رسومات کو لیا اور تھوڑا سا اپنے والدین کی بات کو لیا اور سب کو اسلام کے

ساتھ ملا دیا۔ اسلام تو کہتا ہے کہ اگر اسلام میں آنا ہے تو پورے آجاؤ یا پورے نکل جاؤ یہ پیغام سورہ احزاب میں دوبار آیا ہے۔ ہندو مذہب کی رسمیں چھوڑو اپنی برادری کی رسومات اور معاشرت کی برائیوں کو جہنم میں ڈال کر صرف ایک راستہ اختیار کرو۔ اب حجاب کے مسئلہ کو ہی لیجیے آج کے دور کی عورت اسے سن تو لے گی لیکن دل میں آئے گا کہ اسلام نے حجاب کی پابندی لگا کر ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے اسی طرح ترکہ میں لڑکی کا آدھا حصہ لڑکے سے۔ لڑکی سوچے گی ایسا کیوں لیکن یہ نہیں سوچے گی کہ اللہ نے قرآن مجید میں جو حصہ دیا ہے یا حجاب کا حکم دیا ہے اس پر راضی اور خوش ہو۔ اگر رسولؐ نے فرمایا کہ حجاب کرو تو ضرور بالضرور اس میں ہمارے لیے کوئی فائدہ ہے چاہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے کیونکہ رسولؐ صادق الامین ہے اگر انہوں نے داڑھی رکھنے کا فرمایا تو رکھو چاہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے کوئی فائدہ ضرور ہے۔ اگر گانے بجانے کو منع فرمایا تو اس سے بچو ضرور اس میں کوئی فائدہ ہے اور یقین جب ہوگا کہ رسولؐ نے ہمارے فائدہ کے لیے فرمایا تو اس پر عمل ہوگا اور جہاں شک ہوگا وہاں کبھی عمل نہیں ہوگا اور عمل کا نہ کرنا یہ بتاتا ہے کہ رسولؐ پر اور امامین علیہم السلام پر یقین نہیں ہوا شک کے مرحلہ سے گزر رہا ہے۔

مولف نے اپنی کتاب ''انقلاب اسلامی'' میں ایک خط بنام شہزادی فاطمۃ الزہرا'' جو مولف کو اس کی تالیف کے اختتام پر ملا تھا۔ شائع کیا تھا اب دوبارہ اس خط کو اس کتاب میں شائع کیا جارہا ہے تاکہ مومنین اس سے استفادہ فرمائیں۔

# خط بنامِ شہزادی فاطمۃ الزہراؑ

اس کتاب کی تالیف جب اختتام پر تھی تو مؤلف کو درج ذیل مضمون کا ایک ''خط بنام شہزادی فاطمۃ الزہراؑ'' وصول ہوا جس کے نیچے ایک نوٹ تحریر ہے کہ اس خط کی کاپی کروا کر آگے بانٹیں تو میں نے مناسب خیال کیا کہ کیوں نہ اس خط کو اپنی اس کتاب میں شامل کیا جائے۔

شہزادی فاطمۃ الزہراؑ!

آپ کی خدمت اقدس میں ہم گنہگاروں کی طرف سے سلام ہو۔

ہم تو شرمندہ ہیں جو اس دور میں جی رہے ہیں بلکہ ہمیں تو ڈوب مرنا چاہیے کہ ہم نے آپؑ کے بچوں کی پاک فرشِ عزا اور وہ درس گاہیں جو ہم نے ان کے لیے مخصوص کر دی ہیں ہم اُن کو نہیں بچا سکے۔ وہی فرشِ عزا جو آپؑ کی بیٹی نے بچھائی تھی، آج اُن میں سے بعض مقامات پر مہندی، ڈھولک، بے پردگی اور منگنی وغیرہ جیسی رسومات ہو رہی ہیں اور انہی جگہوں پر مجالس اور جلسے بھی ہو رہے ہیں۔ ہماری عورتوں نے مجلس امام حسینؑ کو وسیلہ رشتہ سمجھ رکھا ہے۔ وہ آتی ہیں اور اپنے بچے بچیوں کے لیے رشتہ تلاش کرتی ہیں۔

''یقیناً آپؑ کی التجا بھی یہی ہوگی وہ مائیں وہ بہنیں جن کے نوجوان بیٹے اور بیٹیاں ہیں یہ مجلس حسینؑ کو مجلس حسینؑ ہی رہنے دیں نہ کہ مجلس رشتہ نہ بنائیں، رشتوں کے لیے اور بہت سی محافل ہیں۔''

اور منگنیاں کیسی ہوتی ہیں جو میری سمجھ سے بالکل باہر ہیں کہ وہ کتنا بے غیرت باپ ہوگا جو خود اپنی بیٹی کا ہاتھ کسی نامحرم کے ہاتھ میں دے دے اور اس سے کہے کہ تم اس سے یا کسی اور نامحرم (لڑکے کا باپ، دادا۔۔وغیرہ) سے انگوٹھی پہنو......" جبکہ اسلام میں نکاح اور ولیمہ کے علاوہ کسی قسم کی رسومات کا ذکر نہیں بلکہ یہ تمام رسومات تو ہم نے ہندوؤں کے (Culture) سے حاصل کی ہیں۔"

مجلسوں، جلوسوں اور دیگر محافل میں عورتیں بے پردہ ہو کر آتی ہیں، بعض عورتیں جو واجب پردہ تو کرتی ہیں لیکن ان میں سے بھی بعض میں بہت خامیاں ہوتی ہیں مثلاً کہ وہ آنکھوں کی نمائش کے لیے (lens etc)، ناک کی نمائش کے لیے (نتھنی وغیرہ)، ہونٹوں کی نمائش کے لیے (lipstick lippencil) اور ہاتھوں اور پاؤں کی نمائش کے لیے (Nailpolish Mehndi, etc) استعمال کرتی ہیں جو مردوں کے لیے کشش کا باعث بنتی ہیں۔ بی بی مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ان کو روکنے والا کوئی نہیں ہے؟

"شہزادی زینبؑ کی چادر تو یزید نے کھینچی تھی (یعنی یزید کی وجہ سے اُتری تھی) لیکن ان عورتوں کی ابائیں اور ردائیں کس کی وجہ سے اتریں ہیں؟ کیا ان کے باپ، بھائی، شوہر نے یا پھر ان کی بے حیائی کی وجہ سے!"

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

والمتفغافل علیٰ زوجة وھو الدیوث

"اور وہ شوہر جو کہ اپنی بیوی کے سلسلے میں غافل ہو اور اس کے پردے

اور عفت نفس کے بارے میں خیال نہ رکھے تو ایسا شوہر دیوث (بے غیرت) ہے۔"

اب تو سید زادیوں نے بھی آپ کی پیروکاری چھوڑ دی ہے۔ وہ بھی اب بے پردہ پھرنے لگی ہیں۔ معلوم نہیں ہوتا کہ آپؑ کی اولاد میں سے ہیں یعنی سید زادیاں ہیں۔ اب تو ہمیں اُن کو سید زادیاں کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے اور آج ہم اسلام کے اتنے خلاف چل رہے ہیں کہ غیر مسلموں اور ہم میں کوئی خاص فرق نہیں رہا اور بی بی کیا آپؑ یہ برداشت کر سکیں گی کہ اہل بیتؑ کے پیروکاروں کو کافر کہا جائے۔

"جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ اور وضع وقطع معلوم نہ ہو۔"

ماشاء اللہ ہمارے ہاں اس کے بالکل ہی الٹ ہے کہ ہماری عورتیں (Tight) کپڑے اور قمیصیں پہنتی ہیں اور خاص طور پر چوڑی دار پاجامہ وغیرہ بڑے فخرے (Latest Style) کے طور پر پہنا جاتا ہے۔ میرا یہ یقین کامل ہے کہ اگر آپؑ سے کسی نمائش شدہ اور بے پردہ دلہن کے بارے میں سوال کیا جائے تو آپؑ یقیناً یہ جواب دیں گی کہ اُس دلہن اور اُس کو اچھا کہنے والے پر لعنت ہو۔

امیر لمومنین حضرت علیؑ سے روایت ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک روز وہ اور آپؑ حضورؐ کی خدمت میں گئے تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شدت سے گریہ فرما رہے ہیں عرض کی یارسول اللہؐ گریہ کا کیا سبب ہے فرمایا: یا علیؑ شب معراج جب مجھے آسمان پر لے گئے تو میں نے اپنی امت کی عورتوں کو سخت عذاب میں مبتلا پایا اُس کی یاد نے مجھے رلایا۔

۱۔ پہلی عورت کو دیکھا کہ سر کے بالوں سے لٹکی ہوئی ہے، یہ عورت اپنے سر کے بالوں کو نامحرموں سے نہ چھپاتی تھی۔

۲۔ دوسری عورت کو دیکھا جو اندھی، بہری اور گونگی تھی آگ کے صندوق میں بند ہے اور اس کے سر کا مغز ناک کے راستے سے بہہ رہا ہے۔ میرے استفسار پر جبرائیل نے بتایا کہ یہ عورت نامحرموں سے اپنے آپ کو نہ چھپاتی تھی اور زنا سے بچے پیدا کر کے شوہر کے نام سے منسوب کرتی تھی۔

۳۔ تیسری عورت کو دیکھا اُس کے بدن کا گوشت آگ کی قینچی سے آگے پیچھے سے کاٹا جا رہا ہے یہ عورت مردوں کو اپنا آپ دیکھاتی تھی اور اس خواہش میں رہتی تھی کہ مرد اُس کی طرف رغبت کریں۔

۴۔ چوتھی عورت کو دیکھا کہ اپنے گوشت کو خود چبا رہی ہے اور آگ نے اُس کو گھیرا ہوا تھا یہ عورت نامحرموں کے لیے زینت کیا کرتی تھی اور بناؤ سنگھار کر کے بے حیائی، بے غیرتی اور بے پردگی کے ساتھ گھر سے باہر نکلا کرتی تھی۔ (استغفراللہ)

بی بی میرا یقین ہے کہ آپؑ ہماری شادیوں میں شرکت نہیں کرتی ہوں گی، کیونکہ وہاں پر اہل البیتؑ کا ذکر، حدیث کساء اور دیگر دعاؤں کے ساتھ ساتھ بے پردگی بھی ہوتی ہے۔ یا اللہ! ہمیں احکام اسلام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ آپؑ ہمارے بچوں کی شادیوں میں خوش اصلوبی کے ساتھ شرکت فرمائیں اور وہ آپؑ کے سائے مبارک میں رخصت ہوں۔ (آمین)

آخر میں میری اُن خواتین سے گزارش ہے جو مولاؑ کی زیارت، مجالس اور

جلوسوں میں بے پردہ جا کر وہ آپؑ اور آپؑ کی آل اولاڈ کے زخموں پر نمک مت چھڑکیں۔ ہر شخص پر لازم ہے کہ پیغام خدااور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں تک پہنچائے اور دین میں جبر نہیں! جو مان لے فرمابردار ہے اور جو نہ مانے ناشکرا اور نافرمان بن جائے۔

وما علینا الاالبلاغ المبین

ازطرف

گنہگار بندہ

zainab_aur_pardah@hotmail.com

نوٹ :ا۔میں نے یہ خط لوگوں سے دشمنی کرنے کے لیےنہیں لکھا، بلکہ مقصد صرف ہدایت ہے۔

۲۔اگر بہتر سمجھیں تواس خط کی کاپی کرواکر آگے بانٹیں

# کیا انسان جنگ وجدل خونریزی اور دہشت گردی سے چھٹکارا حاصل کرسکتا ہے؟

مکمل اور عالمی صلح کا دارومدار دو باتوں پر ہے۔ اوّل یہ کہ عقیدوں کا اختلاف ختم ہوجائے اور سب حق اور حقیقت کے پیرو بن جائیں۔

دوسرے یہ کہ درگزر کا جذبہ اور ایثار قربانی کی کیفیت حقیقی معنوں میں لوگوں میں پیدا ہوجائے۔ منافع خوری اور بخالت سے ہاتھ روک لیا جائے اور سب ایک دوسرے کو بھائی جیسا سمجھیں۔

جب یہ دونوں بنیادیں جن کو اسلام نے قرآن میں پیش کیا ہے لوگوں میں محکم اور مضبوط ہوجائیں تو امام معصوم کی رہبری میں عالمی صلح وجود میں آجائے گی۔

اگر ایسا نہ ہوا یعنی یہ دونوں بنیادیں مستحکم نہیں ہوتیں تو جنگ اور خونریزی سرطان کے پھوڑے کی طرح ایک ساتھ پوری انسانیت کو کہیں اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔

ماہرین نفسیات اور عمرانیات گہرے غوروخوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جنگ کوئی بین الاقوامی حادثہ نہیں بلکہ ایک معتدی اور چھوت کی بیماری ہے جو ایک لحظے میں کئی ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ کچھ دن ہوئے مختلف دانشوروں نے تین ممالک میں سیمینار تشکیل دیئے تھے جہاں انہوں نے تجویز پیش کی تھی کہ جنگ کی بیماری کی علت دریافت کی جانی چاہیے اور اس کے بعد کوشش کی جائے کہ اس مرض کو

پھیلنے سے پہلے روکا جائے اور اس کی احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں۔

برٹرنڈ رسل نے کہا ہے کہ:

جنگ کی بیماری کا علاج عالمی صلح کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

اسی لیے اسلام کا یقین ہے کہ آخر کار انسان عقل کے ناخن لے لے گا خونریزی اور جنگ وجدال کو پیچھے پھینکے گا اور امام معصوم کی رہبری کو قبول کرے گا۔

تمام انسان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ معاشرے میں صلح وصفائی ایک ایسی نعمت ہے جو لازماً انسانوں کے درمیان ہونی چاہیے مگر ہوتا یہ ہے کہ جب ایک ناباعاقبت اندیش آدمی نفسانی خواہش کے تحت یا خودغرضی اقتدار کی ہوس میں یا ہوس ملک گیری کے تحت جارحیت کر بیٹھتا ہے تو دوسرے اپنا دفاع کرنے کھڑے ہو جاتے ہیں اس کے نتیجے میں جنگ چھڑ جاتی ہے۔ چونکہ جنگ ایک متعدی مرض ہے اس لیے خود بخود پھیل جاتا ہے۔

حال میں نیویارک میں ایک اپیل شائع ہوئی جس کا عنوان ایٹمی جنگ کے انسداد کے نفسیاتی پہلو۔ یہ اپیل 180 بڑے بڑے ماہرین نفسیات کی طرف سے تیار کی گئی تھی۔ ان دانشوروں کے نظریے کے مطابق عالمی جنگ ایک بیماری اور مظہر کلی (Total phenomenon) جو صرف انسانوں میں دکھائی دیتی ہے۔ حیوانات میں اس کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ جب دو بھیڑیے آمنے سامنے ہو کر لڑتے ہیں تو ان میں سے جو مغلوب ہو جاتا ہے وہ فوراً زمین پر لیٹ کر اپنی گردن فاتح کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ فاتح بھیڑیا اس خودسپردگی سے راضی ہو جاتا ہے۔

مگر انسان ایسا نہیں۔ وہ مسلسل اسلحہ کے انبار لگانے اور گولے بارود کے

ذخائر جمع کرنے میں مصروف رہتا ہے۔

## شوقِ مرگ

دانشوروں کی اس اپیل میں ایک امریکی فوجی اڈے کے سپاہیوں کے بحران کے موقعوں پر جذبے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ سپاہی بہت بلند جذبہ رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ جتنا جلدی ہو میدان کارزار میں پہنچ جائیں مگر ماہرین نفسیات کی نگاہ میں یہ میدان جنگ میں جانے کا رجحان دراصل اعصابی کے تشنج کو دور کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔ ان کو نتائج کا کوئی خیال نہیں تھا۔

ان سب سے اہم بات یہ ہے کہ جنگ شروع ہونے کے بعد خودغرضی سب سے بالا ہو جاتی ہے اور بجائے اس کے کہ نتائج اور عواقب پر نظر کی جائے اور جنگ کے خطرات اور اس کے پھیلنے کے بارے میں سوچا جائے صرف اور صرف جنگجوئی پر توجہ مرکوز رہتی ہے۔

اس مسئلے کو ڈاکٹر زنت جیورجی اس طرح وضاحت کرتا ہے۔

ہم سادہ ذہن کے ساتھ قدیم ترین انسان کی طرح، اس دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ ہمارا سابقہ بڑی بڑی منفی قوتوں سے پڑتا ہے۔ ہمارے ذہن کی کیفیت ایسی نہیں ہوتی کہ اس منفی قوت کو آزاد کر دے۔ مگر ہم جو کام کرتے ہیں اس کے ادراک کی طاقت رکھتے اور اس کے نتائج نہیں سمجھ سکتے۔

آخر کار جس روز یہ سمجھ جائے گا کہ جنگ کے مرض کی دوا عالمی صلح ہو سکتی ہے تو وہ خود واحد عالمی حکومت کے قائم ہونے کے لیے فعالیت پیدا کر لے گا۔

ایک علمی رسالہ جس نے موجودہ عالمی حالات پر تحقیقات کی تھی اس نتیجے پر پہنچا تھا:

یا تو یہ دنیا ایک چوتھائی صدی میں بالکل ہی نابود ہو جائے گی یا پھر ایک اصلاحی انقلابی پیشرفت کے ذریعے انسانوں کی حالت درست ہو جائے گی۔

یہاں لازم ہے کہ ان دو میں سے کسی ایک امکان کو قبول کریں۔ ایک طرف محض ناامیدی ہے اور دوسری طرف ایک درخشاں مستقبل کی امید ہے۔ گویا دنیا میں انسانوں کو اس سلسلے میں دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ خدا پر اعتقاد رکھنے والے اور مذاہب کے پیرو۔

۲۔ مبراء اعلیٰ کے منکرین، خدا ناشناس اور بے دین لوگ۔

یہ تو طے شدہ بات ہے کہ خدا پر ایمان اور اعتقاد اور دنیا کے زندہ مذاہب کی پیروی کے نتیجے میں انسان دوسرے امکان (یعنی انسانیت کے درخشاں مستقبل) پر ہی یقین رکھے گا۔

اس لیے کہ خدا پر اعتقاد رکھنے والے، عام خلقت کے عمومی قانون کے مطابق یعنی یہ ممکن نہیں کہ دنیا ہمیشہ آفت و مصیبت پر گھری رہے اور عادی خدا انسانیت کو ظلم و جور کے بوجھ سے نجات نہ دے اور اپنی مخلوق کو مجرموں کے ایک گروہ کی ہوس و طمع کی تسکین کے لیے پریشان حال رہنے دے، یہ کہا کرتے ہیں کہ:

آخر کار خدائے قادر و توانا اس آشفتہ حالی کو ختم کرے گا اور جس طرح جمادات میں عالم ہستی کے موجودات کے سب سے چھوٹے ذرے، ایٹم سے لے کر

ان میں کے سب سے بڑے جو ہماری نظروں کے سامنے ہیں یعنی نظام شمسی اور کہکشائیں اور جانداروں میں سارے حیوانات اور چرند پرند سب ہی ایک منصفانہ نظام سے وابستہ ہیں اسی طرح اشرف المخلوقات حضرت انسان بھی ایسے ہی نظام سے مستفیض ہوں گے۔

اس کے علاوہ مذاہب کے پیرو وعدۂ الٰہی کو بھی سچا مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیشوایانِ دین اپنی کتابوں میں عالمی صلح کی پیشینگوئی کر گئے ہیں اس لیے دوسرے امکان (یعنی روشن مستقبل) پر ہم یقین رکھتے ہیں اور اس کی امید ہمیشہ رکھنے چاہیے اور اس کا انتظار کرنا چاہیے۔

مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن میں فرمایا ہے:

**وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِيْنَ.** (اَنبیاء: ۱۰۶)

(انبیاءؑ کی ساری کتابوں میں ہم نے لکھا ہے کہ یہ زمین ہمارے صالح بندوں کو وراثت میں ملے گی)۔

اس آیت میں یہ بات قابل غور ہے کہ لفظ 'وراثت' سے ایک قسم کا فطری اور طبعی استحقاق جھلکتا ہے۔

قرآن نے اپنے پیروؤں کو نہ صرف یہ طے شدہ خوشخبری دی ہے اور ان کو درخشاں مستقبل کی طرف سے اطمینان دلایا ہے بلکہ اللہ پر ایمان لانے کے بعد ان کو قانون عدل یا عالم خلقت کے عام قانون سے متعارف اور آشنا بھی کرایا ہے۔

جو لوگ مصلح عالم کے ظہور سے پہلے اس دنیا میں ہوں گے قرآن ان کے

بارے میں فرماتا ہے۔

**وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ.**

یہ آیت اس خوف کی نشاندہی کر رہی ہے جو دنیا کے ملکوں کے درمیان آج نظر آ رہا ہے، غذائی اجناس کی کمی اور خصوصاً اسلامی ممالک میں اقتصادی بدحالی اور آپس کی مسلسل جنگوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور خوشخبری کا مستحق صرف ان لوگوں کو سمجھا گیا ہے کہ جو ان ساری مصیبتوں اور پریشانیوں کے مقابلے میں مصلح غیبی کے ظہور کا فعال رہ کر اور بردبار بن کر انتظار کر رہے ہیں۔

محترم قارئین جو رسالوں اور دیگر ذرائع ابلاغ سے کچھ بھی سروکار رکھتے ہوں گے ان کو اس کا خوب اندازہ ہوگا کہ اس دور کے لوگوں کے دلوں میں کس قدر ایک دوسرے کا خوف و ہراس بیٹھا ہوا ہے۔

ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ اگر کسی (بین الاقوامی کھیلوں کے) میڈل پر نظر ڈالی جائے تو اس کے ایک رخ پر تمدن ہوگا اور دوسرے رخ پر درشتی اور کھردراپن ہوگا۔

کسی رسالے میں لکھا تھا کہ ہر وقت کچھ جنگی ہوائی جہاز ایٹم اور ہائیڈروجن بم لیے ہوئے فضا میں پرواز کرتے رہتے ہیں۔ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ جیسے ہی فوجی ہائی کمانڈ سے اشارہ ہو وہ دشمن کے اڈوں پر ان بموں کو جا کر گرا آئیں۔

آج چھوٹی چھوٹی گڑیاں اور سگریٹ لائٹر اور آستینوں کے بٹن کے ذریعے بھی جاسوسی ہو رہی ہے۔

ایران کے ایک کثیر الاشاعت روزنامے میں لکھا تھا کہ:

فرانس کے سیکرٹری محکمہ دفاع کی میز پر ایک چھوٹی سی خوبصورت لکڑی کی گڑیا کسی نے لاکر رکھ دی تھی۔ اس گڑیا کے اندر جاسوسوں نے ایک مختصر کیمرہ اور مائیکرو فلم چھپا رکھی تھی۔

جاسوس ایک دوسرے کو پیغام ایک لائٹر کے ذریعے بھیجتے ہیں اس لائٹر کی لو ایک سو میٹر تک دیکھی جا سکتی ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر آستین کے بٹن (Cuff Links) ٹرانسمیٹر اور رسیور کے طور پر استعمال ہو رہے ہیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر انسان کہاں آرام و سکون پائے گا بلکہ ہر وقت ڈر اور خوف اس پر طاری رہے گا۔

مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن کا کہنا ہے:

**وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا اَن تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ اَوْ تَحِلُّ قَرِيبًا دَارِهِمْ حَتّٰى يَأْتِيَ وَعْدُ اللهِ.**

یعنی وہ مجرم انسان جنہوں نے آسمانی قوانین سے سرتابی کی ہے ہمیشہ ایسے حال میں ہیں کہ خود اپنے کئے ہوئے اور ایجادات کے ذریعے ان پر مصیبت آپڑے۔

قرع کے معنی ہیں کچلنا اور پٹخنا۔ تو قارعة سے مراد وہ چیز ہے جو زندگی کو کچل دے۔

اس آیت میں جو خداوند تعالیٰ نے قارعہ کہا ہے اس کی ایک واضح مثال جو

نگاہوں میں آتی ہے وہ یہی ایٹم اور ہائیڈروجن بم ہیں جو انسانیت کو کچلنے اور نیست و نابود کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یا خود ان کے گھر اور ملک کچلے جائیں گے یا ان کے گھروں کے مضافات میں یہ گرائے جائیں گے تاکہ فوجی اڈے اور میزائل کے سٹیشن تباہ ہو جائیں جو بڑی طاقتوں نے ان ملکوں میں جن سے معاہدے ہیں یا اپنے پڑوسی ملکوں میں بنائے ہوئے ہیں۔

یہاں تک کہ خدا کا وعدہ پورا ہو۔ یہ ہی وعدہ ہے جو آج کے خوف و ہراس سے بھرے زمانے میں بردبار اور قوانین اور آسمانی کے گرویدہ لوگوں سے کیا گیا ہے۔ جیسا سورہ نور کی آیت 45 میں فرمایا۔

**وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ.**

اس سے مراد مصلح غیبی کے ظہور کا زمانہ ہے اور ساری دنیا میں عدل و انصاف کا پھیلنا ہے۔

وہ دوسرا گروہ جو وجود خدا کے منکرین پر مشتمل ہے اس کو بھی ارتقاء کے قانون کے تحت، جو عالم ہستی میں ہر جگہ کارفرما ہے اور عام اصلاح اس قانون سے باہر نہیں، عالمی صلح کا قائل ہونا پڑے گا مگر ماضی میں ان کے بار بار کے انسان دشمنی کے مظاہر اور تخریب کاری کے اعادے کی بنا پر وہ اپنے ہاتھ سے امید اور خوش آئند مستقبل اور عالمی صلح وامن کی آرزو کی نعمت کو کھو بیٹھے ہیں۔ مایوسی کے عالم میں وہ ایسا انتظار کب کر سکتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب یہ دنیا ایک گھر کی مانند ہو جائے گی کہ جہاں

سارے انسان اپنے آپ کو ایک خاندان کا فرد سمجھیں گے تو وہ جس طرح اپنے اپنے چھوٹے گھروں میں آج رہتے ہیں اسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کریں گے۔

پہلے مرحلے میں خاندان کے ایک فرد کو جو دوسروں پر فضیلت رکھتا ہو باپ کی طرح اپنا بڑا منتخب کریں گے۔ سب ہی اس کو اس حیثیت سے قبول کریں گے۔

اسلام میں اس جگہ کے لیے امام معصوم کو نگاہ میں رکھا گیا ہے۔ جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ہر زمانے میں زندہ ہیں اور حالات پر تسلط رکھتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد روایات آئی ہیں جن میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ:

کرۂ ارض پر اگر صرف دو آدمی بھی باقی رہ جائیں تو ضروری ہے کہ ان میں سے ایک امام اور رہبر معصوم ہو۔

چنانچہ جتنا بڑا خاندان ہوگا ویسی ہی خاندان کے افراد پر ولایت ہوگی یعنی وہ ایسے احکام دے گا جو محبت اور توجہ کے مظہر ہوں اور ان کی مصلحتوں کو مدنظر رکھ کر دیئے گئے ہوں اور خاندان کے سارے افراد اپنے اس بڑے سے محبت اور لگاؤ کی وجہ سے اس کے احکام کی تعمیل کریں گے (ولایت کے یہی معنی ہیں)۔

اسی طرح اپنی عصمت اور علم اور اس فضیلت کی بنا پر جو وہ دنیا کے باقی تمام لوگوں پر رکھتے ہیں رہبر اور امام کو ان پر ولایت حاصل ہوگی۔

مگر یہ بااختیار ولایت غیر مشروط نہیں ہے۔ بلکہ امام علیہ السلام چونکہ معصوم ہیں اور ساری دنیا سے انسانیت کی مصلحت بہتر طور پر سمجھتے ہیں تو عقل یہ کہتی ہے کہ ان کو سو فیصد اختیارات سونپ دیئے جائیں کیونکہ اختلاف کے موقعوں پر معصوم و دانا کا

کلام دوسرے کم فہم اور جاہل لوگوں پر قطعی مقدم اور بالا ہوگا۔

جس طرح کسی خاندان کا بزرگ جتنا زیادہ مہربان اور شفیق، بردبار اور تحمل والا، خوش خلق اور درگزر اور معاف کرنے والا ہوگا اتنا ہی وہ بہتر طور پر اپنا گھر چلا سکے گا۔

اسی طرح عالم بشریت کے امام ورہبر کو بھی غیر معمولی خلق اور نیکی کا حامل، غیر معمولی طور پر شفیق ومہربان اور غیر معمولی حلم وبردباری کا مظاہرہ کرنے والا اور غیر معمولی عفوودرگزر کرنے والا ہونا چاہیے۔

اگر کسی گھر کا سربراہ چاہے کہ ڈنڈے، کوڑے، سختیوں اور زیادتیوں کے ذریعے اپنے گھر کو قابو میں رکھے تو اس صورت میں وہ نہ صرف یہ کہ اپنے گھر میں ظلم و جاری اور ساری کرے گا بلکہ اس کو اپنے خلاف کسی دھماکے اور انقلاب کے لیے تیار بھی رہنا چاہیے۔

اسی طرح امام معصوم علیہ السلام اگر نعوذ باللہ چاہیں کہ بزور شمشیر اور قتل عام اور ظلم وستم کے ذریعے معاشرے میں اپنی حکومت قائم کریں تو پھر دوسرے انقلاب کا اور لوگوں کی کسی اور فرد پر توجہ مرکوز ہونے کا منتظر رہنا چاہیے۔

چنانچہ اس واسطے کہ انسانیت جانے کہ امام معصوم کی دنیا کے لوگوں پر ولایت کی اساس اور بنیاد کیا ہے، دنیا والوں کو سمجھانا چاہیے کہ ان میں چند ایسی صفات اور خصوصیات ہیں جو کسی میں پائی جائیں تو عقل انسانی معاشرے کی رہبری، ولایت اور اختیار کے لیے اس کا خیر مقدم کرے۔

ا۔ وہ کبھی بھی گناہ، خطاء، سہو، بھول چوک اور غلطی نہیں کرتا۔

۲۔ معاشرے کے کل مصالح اور مفادات کا علم رکھتا ہے اور جہل کا اس میں شائبہ بھی نہیں۔

۳۔ انسانی صفات حمیدہ سے مکمل طور پر بہرہ مند ہے۔ بے جا محبت یا دشمنی، جاہ پرستی اور ساری حیوانی صفات سے مبرا اور پاک ہے۔

اگر لوگ اپنے امام زمانہ کو ان بنیادوں پر پہچان لیں تو خود بخود ان کو اپنے رہبر کی حیثیت سے منتخب کر لیں۔ وہ احکام صادر فرمائیں گے اور لوگ ان کی تعمیل کریں گے۔

اور عقل کے اس فیصلے پر جو باقی ساری خواہشات پر مقدم ہے استبداد، فرد کی حاکمیت اپنا مفہوم و معنیٰ کھو دے گی اور نہ عدم استقلال کا وجود رہے گا اور نہ عقوبتوں کا۔

جس طرح کسی گھر میں ضروری ہے کہ سب افراد ایک زبان ہوں تا کہ ایک دوسرے کے مقاصد کو سمجھ سکیں۔

اسی طرح واحد عالمی حکومت کے لیے بھی ضروری ہے کہ ایک بین الاقوامی زبان ایجاد کرے تا کہ دنیا میں لوگ ایک دوسرے کی مدد سے اپنی سعادت، ترقی اور فلاح کا حصول ممکن بنائیں۔

اسلام نے یہ پیش بینی کی ہوئی ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ عربی زبان کی تعلیم حاصل کریں۔ ان پر واجب ہے کہ ہر روز کچھ دیر اللہ تعالیٰ سے عربی میں بات کریں (نماز پڑھیں اور دعا کریں) اور اس زبان سے اچھی طرح واقفیت پیدا کریں۔

پھر جس طرح ضروری ہے کہ ایک خاندان (فیملی) کے لوگ فکری اور اعتقادی طور پر متفق ہوں اسی طرح واحد عالمی حکومت میں بھی لازم ہوگا کہ ساری دنیا

کے لوگوں کا ایک مذہب اور ایک عقیدہ ہو۔

اور جس طرح ایک فیملی میں افراد کو ایک دوسرے درگزر کرتے رہنا چاہیے اور سب کو بھائی کی طرح زندگی بسر کرنی چاہیے اسی طرح واحد عالمی حکومت میں لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ایثار، محبت اور درگزر سے پیش آنا چاہیے اور سب لوگوں کو بھائی کی طرح ایک دوسرے سے رویہ رکھنا چاہیے۔

اسلام نے اس تجویز کی آیات قرآنی سے اور احکام اسلامی سے بھی تائید کی ہے جیسا کہ فرمایا:

**انما المومنون اخواۃ**

ساتھ ساتھ مومن بھائیوں کے ایثار اور قربانی سے پیش آنے والوں کی بے انتہا تعریف کی ہے۔ عالمی حکومت کی کیفیت اور شرائط کو اس طور ترتیب دیا ہے کہ اگر ان پر سنجیدگی سے عمل کیا جائے تو عدل وانصاف کی احتیاج باقی نہیں رہے گی۔

کیونکہ عدالتیں اور ہائی کورٹ اور عدل و انصاف اس وقت ضروری ہیں جب لوگ درگزر سے کام نہ لیں اور ایک دوسرے کے لیے ایثار سے کام نہ لیں۔ معاشرے میں اگر بھائی چارگی، درگزر، محبت، عفو اور نظر انداز کرنے کی فضا قائم ہو جائے اور سب لوگ بغیر کسی استثناء کے اپنے آپ کو ایک خاندان کا فرد اور ایک جسم کا عضو سمجھنے لگیں تو پھر عدل وانصاف کی ضرورت کہاں باقی رہے گی۔

مگر ہم جو یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کہتا ہے کہ امام زمانہ علیہ السلام دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے وہ اس لیے ہے کہ اس سے پہلے وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی۔

جب لوگ واحد عالمی حکومت کی حقیقت کو پہنچان جائیں ان کی ثقافتی اور

تمدنی ارتقاء اپنے عروج پر ہو اور وہ احکام اسلامی پر پورے طور سے عمل کرنے لگیں تو خود بخود دنیا میں محبت، خلوص، صلح، صفائی اور ایثار اور بھائی چارگی کے جذبے کا دور دورہ ہوگا اور ظلم وظالم خیانت اور خائن کا وجود باقی نہیں رہے گا۔

قدرتی طور سے عدل وانصاف کی ضرورت نہیں رہے گی۔ کیونکہ عدالت اور منصفی کا اس زمانے میں ہونا ضروری ہے جب ظلم وستم کا دور دورہ ہو۔

## ظہور امام زمانؑ سے قبل عالمی جنگ

بہت سی حدیث حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے قبل عالمی جنگ رونما ہونے کے متعلق بتائی ہیں۔ یہ روایات تواتر سے ہیں ان روایات کو پہلی اور دوسری جنگ عظیم جو گذشتہ صدی میں ہو چکی ہیں، کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ ان روایات میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ ان جنگوں کے واقعات سے بالکل مختلف ہیں۔ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تیسری عالمی جنگ یا تو ظہور کے سال میں ہی شروع ہوگی یا ظہور کے شروع حرکت میں آنے کے بعد واقع ہوگی۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''حضرت قائمؑ سے پہلے سرخ اور سفید موت ہے'' اور ٹڈیوں کے غول اپنے موسم اور غیر موسم میں آئیں گے (الارشاد المفید ص ۴۰۵ غیبت طوسی ص ۲۷۷)

سرخ موت سے مراد جنگ جس میں خون بہت زیادہ بہے گا اور سفید موت

سے مراد طاعون کی بیماری لی گئی ہے۔ روایت یہ بھی بتاتی ہے کہ یہ اموات ''بین یدی القائمؑ ''یعنی حضرتؑ کے سامنے یا آپؑ کے ظہور سے کچھ پہلے واقع ہوں گی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ'' حضرت قائمؑ قیام نہیں فرمائیں کے مگر سخت خوف و ہراس کی حالت میں جب زلزلہ، فتنے اور مصائب ہوں گے اوران سے پہلے طاعون اور پھر عربوں کے درمیان تلوار چلے گی اوران لوگوں میں اختلاف ہوگا۔ گروہوں میں ہوں گے، لوگ صبح و شام موت کی خواہش کریں گے (اکمال الدین ص ۴۳۴) اس روایت سے ایک بات واضح ہے کہ عربوں کے درمیانا ختلافات اور بحرانی کیفیت ہوگی جیسی کہ آج کل ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ'' حضرت قائمؑ کے قیام سے پہلے بھوک اور قحط کا سال ہوگا اور قتل کی وجہ سے خوف میں ہوں گے'' (بحارالانوار جلد ۵۲ صفحہ ۲۲۹) یہ حدیث بھی بیان کرتی ہے کہ خوف و ہراس اور جنگ جاری رہے گی۔ یہاں تک کہ ظہور سے پہلے ماہ رمضان میں آسمان سے آواز آئے گی۔ حضرت امام باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ''مشرق اور مغرب والے اختلاف کریں گے اور اہل قبلہ بھی لوگ سخت تنگی اور مصیبت میں مبتلا ہوں گے یہاں تک کہ ندا دینے والا آسمان سے ندا دے گا پس جب یہ آواز آئے تو پھر کوچ کرو''۔ (بحارالانوار جلد ۵۲ صفحہ ۲۳۵)

سب سے زیادہ واضح حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا وہ خطبہ ہے جس میں آپ نے ظہور امام العصرؑ کی علامات بیان فرمائی ہیں اس میں وہ فقرے عالمی جنگ پر دلالت کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

''اہل نجران کا راہب ایک مرد خروج کرے کا وہ امام

مہدی علیہ السلام کی اجابت کرئے گا اپنے صومعہ کو گرادے گا صلیب کو توڑدے گا اور اپنے کمزور ساتھیوں کو اور سواریوں کو لے کر اور ہدایت کے پرچموں کے ساتھ خروج کرے گا پھر وہ تخلیہ میں جائیں گے۔ زمین کے تمام لوگ ''فاروق'' میں جمع ہو گے (یہ مقام ابرس اور فرات کے درمیان حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے حاجیوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے) پس اس دن مشرق اور مغرب کے درمیان تیس لاکھ یہود و نصاریٰ کا قتل ہوگا ان کے بعض لوگ بعض کو قتل کریں گے بس وہ دن اس آیت کی تاویل ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''پس برابر یہ ان کا دعویٰ رہا یہاں تک کہ ہم ان کو بجھا ہوا فصل گھاس قرار دے دیا تلوار اور تلوار کے سایہ تلے'' (بحار الانوار جلد ۵۲ ص ۲۷۴)

اس حدیث میں ان الفاظ ''قبل ان تشغر بر جلها فته شرقيه'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ کی ابتدا مشرق وسطیٰ کے علاقے میں کسی جھگڑے پر ہوگی۔ (آج کل کے حالات ایسا ہی بتا رہے ہیں)

حدیث کا اگلا جملہ ''اوتشب نشارا یا لحطب الجزل غربی الارض'' یعنی تباہی کا مرکز عربی مما لک ہوں گے''۔ ان کے عسکری مراکز اور دوسرے بڑے مراکز اور دار الحکومتوں میں آگ کے شعلے بھڑکیں گے۔

احادیث شریفہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے پہلے عالمی سطح پر خوف و ہراس، قتل و غارت اور وبا کے پھیلنے سے ہوگا۔ ظہور

سے پہلے یا ظہور کے سال میں بہت زیادہ جانی نقصان ہوگا اور زیادہ تر غیر مسلموں کا ہوگا۔ یہ ایسی بات ہے جس کی وضاحت یہ کی جاسکتی ہے کہ جنگ عظیم میں ایٹمی اسلحہ کا استعمال بڑی طاقتوں کے درمیان اس قدر ہوگا جس سے ان کا زیادہ جانی نقصان ہو۔ روایات یہ بھی بتاتی ہیں کہ علاقائی جھڑپیں ہوں گی۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''ظہور کے سال میں جنگیں بہت ہوں گی''۔ ان جنگوں کا وقت روایات سے یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ ظہور کے سال تک جاری رہیں گی۔ اس زمانے کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سپر طاقتیں ایک دوسرے کو دھمکیاں دے رہی ہیں اور مشرق وسطیٰ جھگڑوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ دینا میں اس وقت ایک ایسی سپر حکومت ہے جس کا بظاہر کسی حکومت سے تعلق نہیں لیکن اس کا دخل ہر حکومت میں اور ہر ملک میں ہے۔ اس پر حکومت کو اپنی دولت، اسلحہ اور فوج پر گھمنڈ ہے اور کل دینا کو اپنے تابع اور غلام رکھنے کی فکر ہے اس کی دوسرے ممالک میں مداخلت گوناگوں مسائل اور مصائب کا سبب بنی ہوئی ہے۔ اقوام متحدہ اس سپر حکومت کی لونڈی بنی ہوئی ہے، قراردادیں منظور کی جاتی ہیں لیکن ان پر عمل نہیں کیا جاتا یہ سپر طاقت جہاں چاہتی ہے ان قراردادوں پر عمل کرا دیتی ہیں اسی سپر حکومت نے فلسطین کے علاقہ میں اسرائیلی حکومت قائم کرائی جس کی صدیوں پہلے سے یہودیوں کی خواہش تھی اب اس کی دوسری خواہش ہے کہ عالمی سطح پر یہودیوں کی سلطنت کے قیام میں اسرائیل کی مدد کی جارہی ہے۔ اسرائیلی حکومت کی اتنا طاقتور بنایا گیا ہے کہ وہ ہر حکومت کو گھورتا ہے جو ایٹمی طاقت اور اسلحہ سے مسلح کر دیا گیا ہے اور صیہونی عالمی حکومت کے قیام پر تیزی سے عمل جاری ہے۔

اس سپر پاور نے اپنے دور اقتدار میں ایک نیا عالمی نظام دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر ان کی قوم صدیوں تک جنگ سے بچنا چاہتی ہے تو اس علمی نظام پر عمل کرنا ہوگا۔اس عالمی نظام کی تشکیل میں یہودیوں کا بھر پور ہاتھ تھا اور ان کی سازشیں صاف ظاہر رہی ہیں۔عیسائیت اور صیہونیت متحد ہو کر اس پر عمل پیرا نظر آتے ہیں جس کی چند باتیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ یہودی ریاست کا قیام۔

۲۔ یہودکی عالمی سلطنت کا قیام جس نتیجہ میں پوری دنیا ایک وسیع وعریض نو آبادی میں تبدیل کر دی جائے گی۔ اس کا اثر اقتصادی غلامی، تہذیبی، ثقافتی اور سیاسی آزادیوں سے محرومی ہوگا۔

۳۔ اسلامی دنیا کی تمام شخصی حکومتیں ختم کر دی جائیں گی اور پوری اسلامی دنیا کو دفاعی صلاحیت سے محروم کر دیا جائے گا۔اسلامی قوانین اور احکامات امریکی اور یورپی تہذیب وثقافت میں بدل جائیں گے۔

۴۔ جنوری ۱۹۵۲ء میں ہنگری کے دارالخلافہ بوڈاپیسٹ میں یورپ کے یہودی علماء ربائی جمع ہوئے تھے ان کے سب سے بڑے عالم نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ہم نے ایک منصوبے کے لیے بیس سال مقرر کئے تھے لیکن جنگ عظیم دوم کے بعد یہ منصوبہ قبل از وقت ہی مکمل ہو گیا۔اسرائیل کی ارض موعود جو ہمارا وطن ہے اور نسل درنسل جس سے ہم محروم تھے چند سال قبل ہمارا یہ حق ہمیں مل گیا۔اب وہ وقت دور نہیں جب یہودی آقا غیر یہودی اس کا غلام ہوگا۔

۵۔ جنگ عظیم دوم سے پہلے جرمن قوم اور دوسری قوموں کے درمیان شدید

نفرت پیدا کی گئی تھی۔اب مشرق کی اقوام کو مغرب کے خلاف اور مغرب کو مشرق کے خلاف بھڑکایا جائے گا اس طرح یہ ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں گے اس منصوبہ پر عمل کرنے سے پہلے امریکہ کی فوجی قوت کو انتہا تک بڑھایا جائے گا۔

۶۔ ہمارا آخری اور اہم ترین ہدف تیسری جنگ عظیم کرانے کے لیے حالات کو تیز کرنا ہے اس جنگ کے بعد دوسرے ادیان اور ان کی مذہبی شخصیات باقی رہیں گی۔تب تمام دنیا پر ہماری برتری اور سرداری قائم ہو جائے گی۔

۷۔ ۱۹۵۰ء میں ایک یہودی ممبر نے امریکی سینٹ میں یہ اعلان کیا تھا کہ اب یہودی عالمی حکومت قائم ہو کر رہے گی خواہ باہمی رضامندی سے یا بذریعہ جنگ۔

۸۔ امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن نے ۱۹۵۵ء میں ایک مضمون لکھا تھا کہ اسلامی بیداری کی لہر نہ صرف مغرب بلکہ روس کے لیے بھی خطرہ ہے لہٰذا دونوں طاقتیں مل کر اس خطرہ کا مقابلہ کریں۔ایک برطانوی صحافی مس جیولی چرچل نے اخبار ڈیلی میل سنڈے مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۸۸ء میں لکھا تھا کہ بین الاقوامی طاقتوں کو بیس سال کے اندر امن عالم کے دشمن نظریہ اسلام کے چیلنج کا سامنا کرنا پڑے گا۔۱۹۸۸ء کے انٹرنیشنل ہیرلڈ ٹربیون میں ایک مضمون نگار نے عیسائیوں کو متنبہ کیا کہ مسلمانوں کی جنگجو روح پھر بیدار ہو رہی ہے مسلمانوں کی باہمی خونریزی کا چاہے ایران عراق جنگ یا جہاد افغانستان ہو یہ صرف خون گرم رکھنے کا بہانہ ہے اس کے بعد مسلمان

اسرائیل کی طرف متوجہ ہوں گے اور پھر یورپ کی باری آئے گی۔

مسلمانوں کے لیے جنگ کوئی خطرناک چیز نہیں جب کہ یورپ اورامریکہ اس کے تصور سے بھی خوفزدہ ہوتے ہیں۔

سپر طاقتیں اپنے مفادات کے حصول کے لیے خصوصاً اپنے ان ہم نواؤں کو جی بھر کے گل کھیلنے کے مواقع علی الاعلان فراہم کرتی ہیں جو مسلمان کو پہلے سے ظلم وستم کا نشانہ بنارہے ہیں۔ بے گناہ مظلوم اور بے کس مسلمانوں پر قیامت ڈھائی جارہی ہے بوسنیا کا مقتل ہو یا فلسطین اور کشمیر کی قتل گاہیں ہوں۔ ہندوستان میں صوبہ گجرات کے مسلمانوں قتل عام کا نظارہ بین الاقوامی برقی چینل پر دنیا کو دکھایا جارہا ہے۔ مسلمانوں کو زندہ جلایا جارہا ہے ان کی املاک تباہ کی جارہی ہیں اور کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی ساری دینا ان تلخ حقیقتوں سے آگاہ ہے کہ آج کا اسرائیل، برطانیہ اور امریکہ کی ناجائز پیداوار ہے اور مسئلہ کشمیر اسی برطانیہ کا پیدا کردہ ہے جس نے برصغیر پاک وہند کی تقسیم کے وقت طے نہ کر کے تنازعہ کا سبب بنا کر چھوڑ دیا اور یہ مسئلہ بچپن سال سے کشمیریوں کے لیے دردسر بنا ہوا ہے وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق استصواب رائے کا حق مانگ رہے ہیں اور ان کو دہشت گرد قرار دے کر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں ان کی چیخ وپکار عالمی ضمیر کو جھنجھوڑ رہی ہے لیکن کوئی نہیں سنتا اور دنیا کی واحد سپر پاور کے نزدیک وہ مسلمان دہشت گرد ہیں اسی سپر پاور نے محض شک کی بناپر اسامہ بن لادن کو گرفتار کرنے کا بہانہ بنا کر افغانستان کی اسلامی حکومت کا کیا حشر کیا اور مسلمانوں پر جس طرح بمباری کی وہ کوئی دور کی بات نہیں۔ اسامہ بن لادن نہ گرفتار کیا جاسکا اور نہ ہی مارا جاسکا۔ امریکہ اور برطانیہ نے جب چاہا عراق پر

آتش و آہن برسانا شروع کر دیئے۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد سے ان ممالک نے دہشت گردی کی اصطلاح کو جو معنی پہنائے ہیں اس کے بعد اسرائیل اور بھارت نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا اپنا شعار بنالیا ہے۔ اگر کوئی فدائی ان کے مظالم کے خلاف اپنی جان سے گزر جائے تو اسے دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے اور اس ظالم کو دہشت گرد نہیں کہا جاتا۔ عالمی ضمیر خاموش تماشائی بنا ہوا ہے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ اسلامی ممالک کے حکمران بھی مسلمانوں کے خلاف اس ظلم پر خاموش ہیں۔ بڑی بڑی مسلم تنظیمیں بھی صرف قراردادوں تک محدود ہیں۔ آخر یہ سب کچھ کب تک ہوتا رہے گا۔ کیا اسی طرح مظلوم مسلمانوں کا خون بہتا رہے گا اور ان آہیں دربار خداوندی تک کب پہنچیں گی۔ تمام دنیا پر اپنی برتری قائم کرنے کے لئے سپر طاقت کے ارادہ یہاں تک ہیں کہ اس دنیا کو پانچ زونوں میں تقسیم کیا جائے گا جہاں ہر زون میں ان کا جنرل رہے گا۔ آئے دن یہ بھی اخبارات میں آتا رہا ہے کہ اسلامی ممالک دہشت گردی پھیلاتے ہیں۔ ایران، عراق، شام، لیبیا سرفہرست ہیں جن پر حملہ کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ شام کی سرحد پر فوج ڈال دی گئی ہے تمام اسلامی ممالک میں ایک ایٹمی طاقت رکھنے والا ملک پاکستان ہے اس کے خلاف بھارت کو کھڑا کر دیا گیا ہے۔ دونوں ممالک کی فوجیں اپنے ایٹمی اسلحہ کے ساتھ سرحد پر کھڑی ہیں اور بھارت کے اس مطالبہ کی حمایت کی جارہی ہے کہ پہلے پاکستان مجاہدین کی جو دہشت گرد ہیں بھارت میں دراندازی بند کرے پھر ہم بھارت سے کہیں گے کہ وہ اپنی فوجیں سرحد سے ہٹائے اور کشت و خون بند کرے حالانکہ پاکستان خود ہندوستان اور دیگر ممالک کے دہشت گردوں کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ اس وقت دنیا میں اہم تنازعات ایک فلسطین،

دوسرا کشمیر، تیسرا عراق میں جو سپر پاور نے مداخلت کی ہوئی اور قتل وغارت گری کا بازار گرم کر رکھا ہے اور اپنا آئین مسلط کرنا چاہتا ہے اور اب شام اور ایران پر اس کی نظریں جمی ہوئی ہیں جو تیسری جنگ کا سبب بن سکتے ہیں۔

دنیا ایک مصلح کل کے انتظار میں ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا انتظار میں ہے۔ اس کے دو معنی ہیں:

اوّل یہ کہ کہیں کہ حضرت حجۃ بن الحسن المہدی علیہ السلام کے انتظار میں ہے یعنی دنیا میں سارے لوگ منتظر ہیں کہ ایک شخص معین جن کا نام حضرت ابوالقاسم حجۃ بن الحسن العسکری علیہ السلام ہے آئیں اور دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں ظاہر ہے کہ یہ بات درست نہیں کیوں کہ کرۂ ارض کے باشندوں میں سے اکثریت نے شاید آنجنابؑ کا نام بھی نہ سنا ہو۔

دوسرے یہ کہ کہیں کہ دنیا ایک مصلح کل کے انتظار میں ہے کہ وہ آئیں اور دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں۔ یا یہ کہ دنیا ایک واحد عالمی حکومت کے قائم ہونے کی منتظر ہے، یہ معنی درست ہے کہ اس میں تعجب بھی نہیں۔ ظہور اسلام سے بھی سالہا سال قبل دنیا کے دانشور اور فلسفیوں میں یہ خواہش پائی جاتی تھی، دنیا کے مفکرین اور دانشور اس خواہش اور آرزو کو ہمیشہ سینے سے لگائے رہے ہیں۔

یہ نظریہ اور آرزو کہ ایک دن ساری دنیا واحد حکومت کے تحت آجائے گی اور پوری دنیا میں عدل وانصاف کا دور دورہ ہوگا ہر شخص کو اس کا حق مل جائے گا، پرانے زمانے سے بڑے بڑے دانشوروں کا مرکز رہا ہے اور ہمیشہ اس کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔

یونان کا مشہور فلسفی زنو جو مکتب رواقی کا بانی ہے اور ۳۵۰ ق م میں رہتا تھا

اس نے انسانی دنیا کی اصلاح کے لیے ایک تھیوری پیش کی تھی جو آج بھی بڑے لوگوں کی کوششوں کے باوجود عملی جامہ نہ پہن سکی۔

زنو نے اس زمانے میں جب دنیا کے لوگوں میں آج کے جیسے روابط پیدا نہیں ہوئے تھے، یعنی ایک دوسرے کے درمیان ریڈیو، ٹیلی وژن اور ہوائی جہاز سے قربتیں پیدا نہیں تھیں، ایک عالمی حکومت کی آرزو کی تھی۔ وہ اپنا نظاریہ اس طرح بیان کرتا ہے:

دنیا کے سارے لوگوں کو ایک واحد قانون کی پیروی کرتی چاہیے تا کہ اپنی بہبود اور خوش اقبالی کو حاصل کرسکیں۔

سکندر اعظم بھی جو اسی زمانے یعنی ۳۳۰ ق م میں رہتا تھا اسی نظریئے کا حامی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے اقتدار اور حکومت کے ذریعے کم سے کم ایرانیوں اور یونانیوں کے لیے ایک ہی قوانین اور حقوق نافذ کرے کہ اس زمانے میں یہ دونوں خطے غیر معمولی علمی اور اجتماعی سلسلوں سے مالامال تھے اس طرح ان کی بہبود اور خوشحالی کا بندوبست ہو سکے۔

پلوٹارک مشہور یونانی مؤرخ اور مصنف، جو ۴۶ء سے ۱۲۰ء مسیح تھا واحد عالمی حکومت کا حامی تھا۔ وہ اس طرح اپنے نظریے کو بیان کرتا ہے:

انسان کو اپنی عمر متعدد جمہورتیوں میں، جو مختلف قوانین کے وضع ہونے سے ایک دوسرے سے دور ہوتی چلی جاتی ہیں، صرف نہ کردے، بلکہ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو ایک معاشرے کا فرد سمجھے اور ایک قانون کا تابع جانے اور تصور کرے کہ سب ہی

ایک گلہ کے افراد ہیں جو واحد قانون کے تحت اس چراگاہ میں اپنی روزی حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔

وکٹر ہیوگو جو ۱۹ویں صدی کا یورپ کا مشہور دانشور اور فلسفی مانا جاتا ہے، اس نے بھی عالمی جمہوریت کی بات کی ہے۔

مختصر یہ کہ تاریخ میں تھوڑے بہت غور خوض کرنے اور مشرق اور مغرب کے فلسفیوں کے افکار پر نظر کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ پوری تاریخ میں یہ نظریہ دنیا کے دانشوروں اور اکابرین میں ہمیشہ مقبول رہا ہے۔

والٹر لیمین اپنی کتاب فلسفہ اجتماعی میں لکھتا ہے:

''مختلف زمانوں میں اس عقیدے (کہ دنیا میں ایک واحد حکومت ہونی چاہیے) کا بار بار زندہ ہونا اور طویل مدت تک مقبول ہونا اس قدر واضح اور آشکار ہے کہ جب بھی انسان اپنی پالیسی اور امور سیاسی کے نظام کے تعین کے لیے سیاسی اور اجتماعی مسائل کے روبرو ہوا ہے تو اس کو ایک واحد قانون کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ اس کی رہنمائی اسی کے ذریعے ممکن ہے اور اس کی فلاح اور بہبود بھی اسی میں مضمر ہے۔

چنانچہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا یہ نظریہ اور اس کی خواہش دانشوروں میں ہمیشہ موجود رہی ہے یہاں تک کہ امریکی انقلاب ۱۷۷۲ء میں فلسفۂ انقلابی، کے نام سے لوگوں میں مقبول ہوا۔ اس سارے زمانے میں یہ نظریہ رد نہیں ہوا۔ پھر ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم اوّل کے دوران لاکھوں انسان مارے گئے۔ ۱۹۳۹ء کی جنگ عظیم دوم میں ۶ کروڑ

آدمی مارے گئے۔ان سے کہیں زیادہ زخمی ہوئے اور مصائب میں گرفتار ہوئے۔

جب حکومتوں نے حالات کو اس نہج پر پایا تو سب ہی مستعد ہوئیں کہ دنیا کی ساری قومیں ایک خاندان کے افراد کے طور پر یکجا مل بیٹھیں اور بین الاقوامی مسائل کا باہم حل نکالیں اور سب ہی لوگ ایک واحد قوانین پیروی کریں۔

اس نظریئے پر ۵۰ حکومتوں نے دستخط کیے اور اس سے اتفاق کیا۔۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے حقوق بشر کے عالمی اعلان کی توثیق کی۔اس قانون کی ۳۰ شقیں تھیں جو (ان کے عقیدے کے مطابق عالم انسانیت میں امن اور صلح کے حقیقی ضامن ہوگی۔

مگر افسوس اس کا ہے کہ آج تک کسی چھوٹی مملکت نے بھی ان قوانین کو اہمیت نہیں دی ہے اور اپنے آپ کو اس تنظیم (اقوام متحدہ) کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھا ہے۔آج بھی دنیا میں جنگیں لڑی جارہی ہیں اور یہ مملکتیں اقوام متحدہ کی کوئی بات نہیں سنتیں نہ اس کا حکم مانتی ہیں۔نتیجہ یہ کہ یہ تنظیم چپ چاپ بیٹھی رہتی ہے۔اس سے بھی اس نظریئے کی سچائی ظاہر ہوتی ہے۔

برٹرنڈ رسل اپنی کتاب 'تازہ امیدیں' میں کہتا ہے:

اس باب میں اس موضوع پر گفتگو کی گئی ہے کہ تیسری عالمی جنگ سے بچنا چاہئے مگر دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ یہ محض ایک مفروضہ ہے۔روزانہ امکانات بڑھتے جارہے ہیں کہ جنگ کی آگ تیز سے تیز تر ہوجائے۔اگر ایسا ہوا تو گزشتہ جنگوں کے مقابلے میں یہ زیادہ وحشیانہ جنگ ہوگی۔

اس کتاب میں جن آرزوؤں کا ذکر ہوا ہے مستقبل قریب میں پوری ہوتی نظر نہیں آتیں۔ یہ ملتوی ہوتی جارہی ہیں۔ مگر یہ ہمیشہ کے لیے ملتوی نہیں ہوسکتیں۔ ہم میں سے وہ لوگ جو اس نئی دنیا کی آرزو رکھتے ہیں جو انسان اپنے لیے تعمیر کر سکتا ہے وہ، خواہ تیسری عالمی جنگ ہو بھی جائے، اس اُمید اور اس (تعمیر نو) پر ایمان سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ دنیا طویل مرض میں مبتلا ہوسکتی ہے مگر (اس کو موت) نہیں آئے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ دنیا پر کتنا ہی اندھیرا چھا جائے اور کیسا ہی غم اور مصیبت اس پر پڑے مگر ہم اپنی اُمید کو زندہ اور روشن رکھیں۔ اپنی سوچ اور اپنے افکار کو آج کی بدبختوں کے مقابلے میں مستقبل پر مرکوز کریں۔ مستقبل کے لیے آج کے یہ مصائب اور تکالیف شاید دردِ زہ کے مانند ہوں۔

لوگ پڑھنے پڑھانے اور کچھ یاد کرنے میں بعض اوقات کند ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایسی چیزیں بھی یاد نہیں کر پاتے جن کو یاد کرنا ان ہی کی بہبود اور ترقی کا باعث ہوتا ہے۔

ممکن ہے آج تک جو تجربے ہوئے ہیں ان سے زیادہ تلخ تجربوں کے ذریعے کچھ چیزیں انسان سیکھ لیں۔ اگر اس میں کامیاب ہوئے اور دکھ درد کا سہنا ان کے لیے وبالِ جان نہ بنا بلکہ اس کے برعکس اس کے ذریعے ان کو عقلِ سلیم عطا ہوئی وہ

صرف اس بنیاد پر ہوئی کہ کچھ لوگوں نے عقل سلیم کو اپنی اُمید کو محفوظ رکھا ہوا ہے۔ جب اس طور اس تجربے کے ذریعے حکمت اور بصیرت ملے تو ایسے لوگ جتنے زیادہ ہوں وہ بہتر ہے۔ ہم میں سے ہر ایک اس ظلمت اور تاریکی کے دور میں استقامت اور پائیداری اور جرأت اور اُمید کے ذریعے اس نوع کے کام کرسکتا ہے کہ یہ امکان بڑھتا جائے۔

چنانچہ آپ نے ملاحظہ کیا دنیا میں واحد عالمی حکومت کا عقیدہ، آرزو بلکہ شدید انتظار دنیا کے بڑے بڑے دانشوروں میں ہمیشہ رہا ہے اور جس دن سے انسانوں میں دانشور اور فلسفی موجود رہے اسی دن سے یہ خواہش اور آرزو ان کے ذہن اور قلب میں موجود رہی ہے۔

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ مختلف مسائل کی وجہ سے دہشت گردی خونریزی اور جنگ و جدل پھیل رہا ہے اور جدید معاشرہ تباہی کی جانب جا رہا ہے مسلمان بالخصوص اس کا شکار ہیں یہ اُن سازشوں کا نتیجہ ہے جو صیہونیت نے اُن کے خلاف کی ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان اس دہشت گردی خونریزی اور جنگ و جدل سے چھٹکارہ حاصل کرسکتا ہے؟ کیا دنیا عالمی جنگ جس کے بادل گرج رہے ہیں بچ سکتی ہے اور امن و امان کا دور آئے گا یا نہیں؟ اب ان باتوں پر غور کیا جائے۔

## نوجوان نسل کی اصلاح

اس زمانہ میں دنیا کی کل نوجوان نسل کو تباہی کی طرف لے جانے کے لیے

سازشیں ہو رہی ہیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اُن حقوق اور آزادیوں کے بدلے میں جن کی اس نوجوان نسل کی آرزو بھی ہے اور ضرورت بھی ہے۔ انھیں صرف جنسی آزادی دی جا رہی ہے۔ پوری دنیا میں تمام ابلاغ عامہ کے ذرائع ریڈیو، ٹیلی ویژن مطبوعات وغیرہ نوجوان نسل کی اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ڈراموں اشتہاروں وغیرہ میں خوبصورت سے خوبصورت تر نسوانی چہرے لائے جا رہے ہیں کہ جن کو دیکھ کر نوجوان نسل کی جنسی فطرت زیادہ ہو بازاروں میں بے پردہ مستورات کا چلنا پھرنا ان کو اپنی جانب راغب کرتا ہے۔ نوجوان نسل میں قرآن سے دوری مذہب سے بیگانگی اور نفس امارہ کی ہدایت نہ صرف گناہ کی جانب راغب کرتی ہے بلکہ گرفتار گناہ ہوتی ہے۔ اس کے مقابل اگر ہم میں یہ صلاحیت ہو کہ درس گاہ رسالت کے اُن نورانی شعلوں سے ایک چنگاری بھی لے سکیں اور اسے اپنی نسل کو تحفہ دے سکیں تو ہم یقیناً روشنی فروزاں کر سکیں گے اور اس سکوت و جمود تفرقہ میں حرکت و امید و ہدف اور گرمی و روشنی پیدا کر سکیں گے اور ایک درخشاں اور طاقتور نسل کو اسلام کی بنیاد پر استوار کر سکیں گے۔ پھر ایک دن وہ آئے گا کہ جب ظلموں۔ عداوتوں اور مسلمانوں میں نفاق ڈالنے اور لڑوانے والوں کے مقابل علم جہاد لے کر صف بستہ ہو جائیں گے اور جو سازشیں اور مخالفتیں دین اسلام اور اس کے ماننے والوں کو مٹانے کے لیے ہو رہی ہیں اُن طاغوتی طاقتوں کے خلاف نبرد آزما ہو کر مسلمان قوم کو اس شدید قتل و غارت گری سے نجات دلائیں گے اور انھیں امن سے ہمکنار کریں گے۔

☆☆☆☆